22

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

7تا13جون2007ء/21تا27جمادی الاوّل28

www.tanzeem.org

اس شمارے میں

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے

موجودہ عدالتی بحران اور.....

طالبانائزیشن اور پاکستان: ایک جائزہ

مسلمانوں کی دولت غیروں کے...

تنظیمات کا کردار

......ہدف دہشت گردی نہیں، اسلام ہے

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

ایک اور اعزاز

تفہیم المسائل

دعوتی وتربیتی سرگرمیاں

پُرعزم انقلابی شخصیت

آج کرۂ ارض کی خشکی وتری حق وعدالت سے محروم ہو چکی ہے اور خدا کی زمین پر اس کے مظلوم و درماندہ بندوں کے لئے کوئی گوشۂ امن و عافیت باقی نہیں رہا۔ گویا زمین کی پچھلی تمام نامرادیاں لوٹ آئیں ہیں اور تاریخ عالم کی ساری گزری ہوئی شقاوتیں ایک ایک کر کے پلٹ رہی ہیں۔ سرزمین اصحاب کہف کا جبر وطغیان، فراعنہ مصر کا جبر واستبداد، نمارۂ کلدان کا غرور، اصحابِ مدین کا انکار واعراض، قوم عاد کا فسق وعدوان، یہ سب کچھ بیک ظرف وزمان جمع ہو گیا ہے۔

آج ایک ایسے عازم کی ضرورت ہے، جو وقت اور وقت کے سروسامان کو نہ دیکھے بلکہ وقت اپنے سارے سامانوں کے ساتھ اس کی راہ تک رہا ہو۔ مشکلیں اس کی راہ میں غبار وخاکستر بن کر اڑ جائیں اور دشواریاں اس کے جولان قدم کے نیچے خس وخشاک بن کر پس جائیں۔ اگر انسان اس کی طرف سے گردن موڑ لیں، تو وہ خدا کے فرشتوں کو بلا لے۔ اگر دنیا اس کا ساتھ نہ دے تو آسمان کو اپنی رفاقت کے لئے نیچے اتار لے۔ اس کا علم مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہو۔ اس کا قدم منہاج نبوت پر استوار ہو۔ اس کے قلب پر اللہ تعالیٰ حکمتِ رسالت کے اسرار وغوامض، معالجہ اقوام اور طبابتِ عہد وایاّم کے سرائر وقضایا اس طرح کھول دے کہ وہ صرف ایک صحیفۂ کتاب و سنت ہاتھوں میں لے کر دنیا کی ساری مشکلوں کے مقابلے اور ارواح وقلوب کی ساری بیماریوں کی شفا کا اعلان کر دے۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ

الھدیٰ (281)

سورۃ المائدہ

(آیات:109تا111)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اذْکُرْ نِعْمَتِیْ
عَلَیْکَ وَعَلٰی وَالِدَتِکَ ۘ اِذْ اَیَّدْتُّکَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۟ تُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ وَکَھْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَالتَّوْرٰىۃَ وَالْاِنْجِیْلَ ۚ
وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ کَھَیْـَٔۃِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْھَا فَتَکُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِیْ وَتُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰی بِاِذْنِیْ ۚ
وَاِذْ کَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَنْکَ اِذْ جِئْتَھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْھُمْ اِنْ ھٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ
اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْھَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

"(وہ دن یاد رکھنے کے لائق ہے) جس دن اللہ پیغمبروں کو جمع کرے گا۔ پھر اُن سے پُوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب ملا تھا۔ وہ عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ تو ہی غیب کی باتوں سے واقف ہے۔ جب اللہ (عیسیٰؑ سے) فرمائے گا کہ اے عیسیٰؑ بن مریمؑ! میرے اُن احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کئے۔ جب میں نے رُوح القدس (یعنی جبرائیل) سے تمہاری مدد کی۔ تم جھولے میں اور جوان ہو کر لوگوں سے گفتگو کرتے تھے اور جب میں نے تم کو کتاب اور دانائی اور تورات اور انجیل سکھائی۔ اور جب تم میرے حکم سے مٹی کا جانور بنا کر اس میں پھونک مار دیتے تھے تو وہ میرے حکم سے اُڑنے لگتا تھا اور مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے چنگا کر دیتے تھے۔ اور مُردے کو میرے حکم سے (زندہ کر کے قبر سے) نکال کھڑا کرتے تھے۔ اور جب میں نے بنی اسرائیل (کے ہاتھوں) کو تم سے روک دیا۔ جب تم اُن کے پاس کھلے نشان لے کر آئے، تو جو اُن میں سے کافر تھے کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے، اور جب میں نے حواریوں کی طرف حکم بھیجا کہ مجھ پر اور میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ، وہ کہنے لگے کہ (پروردگار) ہم ایمان لائے تو شاہد رہیو کہ ہم فرمانبردار ہیں۔"

یہاں قیامت کا ایک منظر سامنے لایا جا رہا ہے کہ اُس دن کا تصور کرو جس دن اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع کرے گا اور پوچھے گا کہ آپ لوگوں کو آپ کی قوموں کی طرف سے کیا جواب ملا؟ وہ اللہ کے حضور زبان کھولنے سے بچیں گے اور کہیں گے، اے اللہ! تو سب غیبوں کا جاننے والا ہے۔ ہر چیز تیرے سامنے منکشف ہے۔

یہاں اب ذکر ہے اُس خاص پیشی کا جو حضرت مسیح علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوگی۔ عیسیٰؑ بن مریمؑ اللہ کے بیٹے بنائے گئے، ثالث ثلاثہ ٹھہرائے گئے، معبود سمجھے گئے۔ چونکہ یہ ساری چیزیں اللہ کو سخت ناپسند ہیں، لہٰذا ان کے بارے میں اُن سے باز پرس ہوگی اور انہیں اللہ کے حضور شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ! ذرا میرے اُن انعامات کو یاد کرو، جو تم پر اور تمہاری والدہ پر ہوئے۔ میں نے روح القدس کے ذریعے تمہاری مدد اور تائید کی۔ تم نے لوگوں کے ساتھ پنگھوڑے میں بھی بات کی اور تم نے لوگوں کے ساتھ جوان ہو کر گفتگو کی۔ اور میرے اس احسان کو یاد کرو، جب میں نے تمہیں کتاب وحکمت سکھائی اور تورات اور انجیل کا علم دیا۔ پھر تمہیں اس معجزے سے نوازا کہ تم میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی ایک شکل بناتے اور پھر اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے ایک اڑنے والا پرندہ ہو جاتا تھا۔ اور تم میرے حکم سے مادرزاد اندھے کو اچھا کر دیتے تھے، اور مبروص (کوڑھی) کو بھی۔ اور تم میرے حکم سے مردے کو کھڑا کر دیتے تھے۔ اور یاد کرو میرے اس احسان کو کہ میں نے بنی اسرائیل کے ہاتھ تم سے روک دیئے۔ یہ وہی واقعہ ہے کہ حضرت مسیح یہودیوں کے ہاتھوں گرفتار نہیں ہوئے بلکہ عین اُس وقت جب پولیس والے آپ کو پکڑنے کے لئے باغ میں داخل ہوئے تو چار فرشتے اترے اور آپؑ کو لے کر آسمان کی طرف چلے گئے۔ اور یاد کرو جب تم لوگوں کے پاس کھلے معجزات لے کر آئے تو لوگوں میں سے کافروں نے کہا، یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ اور ذرا میرے اس احسان کو بھی یاد کرو جب میں نے حواریوں کے دل میں یہ بات ڈال دیں کہ ایمان لاؤ مجھ پر بھی اور میرے رسول پر بھی (یہ وحی نبوت نہ تھی، وہ تو انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے، بلکہ یہ اُسی طرح کا اشارہ ہے جیسا کہ شہد کی مکھی کو ہوا اور اس کے لئے وحی کا لفظ اختیار کیا گیا) اور انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اللہ پر، اور اے عیسیٰؑ آپ بھی گواہ رہیے کہ ہم اللہ کے فرمانبرداروں میں سے ہیں۔

فرمان نبوی

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

غرور و تکبر

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ مِّنْ کِبْرٍ))

(متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: "وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا، جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔"

تشریح: تکبر کبیرہ گناہ ہے۔ اس سے بچنے کی سخت تاکید ہے۔ تکبر اللہ کی صفت ہے۔ انسان تو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ اُسے بڑا بول بولنا زیب نہیں دیتا۔ آدمی کو اگر کوئی خوبی ملی ہے تو وہ خالق کی عطا کردہ ہے۔ اس پر بھی وہ تکبر کرتا ہے تو وہ اتنا بڑا مجرم ہے کہ اس کی یہ صفت اُس کو جنت میں جانے سے روک دے گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ
محبوب الحق عاجز

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے

امام کعبہ الشیخ عبدالرحمٰن السدیس نے کہا ہے کہ مسلمانوں کے دشمن ہمیں پارہ پارہ کرنا چاہتے ہیں۔ کفار کی ان سازشوں کا مقابلہ متحد ہو کر اور اخوت کے جذبے کے تحت کیا جا سکتا ہے۔ جتنی اخوت بڑھے گی اتنا ہی مسائل سے نمٹنے میں آسانی ہوگی۔ یہود و ہنود بھرپور وسائل کے ساتھ امت مسلمہ کو کچلنے کے لیے تمام ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔ اسلام کی سربلندی اور دفاع امت کے لیے ہمیں متحد ہو کر کفریہ طاقتوں کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ مسلمانوں کا جمع ہونا ہی ان تمام مسائل کا حل ہے۔ مسلمان ممالک کو چاہیے کہ متحد ہو جائیں اور اختلافات ختم کریں۔ ہم ظالم قوتوں کے آگے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہو جائیں' تاکہ مظلوموں پر ظلم نہ ہو اور اسلامی معاشرے کو استحکام حاصل ہو۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہمیں داخلی محاذ کو مضبوط کر کے داخلی انتشار و افتراق کو بھی ختم کرنا ہوگا۔

امام کعبہ کی پاکستان آمد اور لاہور و اسلام آباد میں مختلف دینی و سماجی تقریبات میں شرکت ہمارے لیے اعزاز ہے۔ ان پروگراموں میں انہوں نے یوں تو دین و ملت کے مسائل کے بہت سے گوشوں پر روشنی ڈالی' تاہم جن دو بنیادی باتوں پر بہت زیادہ زور دیا وہ وحدت اُمت اور اسلامی شریعت کی پیروی ہے۔ امام صاحب کا یہ کہنا بجا ہے کہ اعدائے اسلام مسلمانوں کو متحد ہونے سے روکنے اور امت کو کچلنے کے لیے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔ یہ ایک زمینی حقیقت ہے۔ اس میں کسی شبے کی گنجائش نہیں کہ عالم کفر **الکفر ملة واحدة** کے مصداق اسلام اور اہل اسلام کے خلاف اکٹھا ہو چکا ہے۔ امریکہ' اسرائیل اور بھارت کی صورت میں یہود و ہنود اور صلیبیوں نے اسلامی دنیا کے خلاف ایکا کر لیا ہے۔ اسلام دشمن طاقتیں نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر' ہر اس قوت' دینی تحریک اور اجتماعیت کا خاتمہ کر دینا چاہتی ہیں جو اسلامی نظریے کی بنیاد پر سوسائٹی کی تعمیر اور ریاست کی تشکیل کا عزم رکھتی ہے۔ انہیں یہ ہرگز گوارا نہیں کہ کسی خطۂ ارضی پر خلافت کی متاعِ گم گشتہ کی بازیافت ہو یا پھر کسی احیائی تحریک' یا اپنی آزادی کے لیے برسرِ پیکار مزاحمتی قوت کا وجود باقی رہے۔ افغانستان کی نوزائیدہ اسلامی حکومت کا خاتمہ اور کشمیر' فلسطین' چیچنیا' عراق اور دنیا کے دیگر خطوں میں خونِ مسلم کی ارزانی نیوکونز صلیبیوں اور انتہا پسند صیہونیوں کے انہی گھناؤنے عزائم کا نتیجہ ہے۔ اور اب حال ہی میں نئے ''اہداف'' کی نشاندہی کے لیے امریکی جنرل جان ابی زید کا وہ بیان آیا ہے جو ہماری آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے اور اس بیان سے عالمِ اسلام کے دو اہم ممالک کے بارے مستقبل کی پالیسی کا رخ متعین کیا جا سکتا ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ پاکستان اور سعودی عرب مستقبل میں عراق اور افغانستان سے بڑا خطرہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ ایک کے پاس ایٹمی قوت ہے' تو دوسرا دنیا کے ایک چوتھائی تیل کا وسیع ذخیرہ رکھتا ہے۔

یہی نہیں کہ عالمِ کفر طاقت اور قوت کے نشے میں بدمست ہو کر کہیں مسلمانوں پر بارود برسا رہا' اور کہیں مسلم ممالک پر عسکری یلغار کی پلاننگ کر رہا ہے' بلکہ اپنی سازشوں کے ذریعے اسلامی دنیا میں انتشار و افتراق پیدا کرنے میں بھی مصروف ہے۔ وہ مسلمانوں کو انتہا پسند اور اعتدال پسند کے خانوں میں تقسیم کر کے ان کی داخلی قوت کا خاتمہ اور اسلامی احیاء کی تحریک کی راہ روکنا چاہتا ہے۔ آج مسلمان معاشرے داخلی سطح پر سخت انتشار کا شکار ہیں۔ اضطراب اور بے چینی بڑھتی جا رہی ہے۔ اس کا بنیادی سبب مسلم ممالک میں اسلام اور مغربیت کی کشمکش ہے۔ بدقسمتی سے عوام اور حکمران طبقات کے درمیان فکر و نظر کی ہم آہنگی موجود نہیں۔ حکمران خواہ وہ بادشاہ ہیں یا فوجی آمر' مغرب کے منظورِ نظر ہیں اور امریکی کیمپ میں کھڑے ہیں۔ اور اُس کی ڈکٹیشن پر اپنی داخلی اور خارجی پالیسیاں مرتب کرتے ہیں' جنہیں بالعموم عوام سخت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ خارجی محاذ پر اس کی نمایاں مثال امریکہ اور اتحادیوں کی جنگ میں مسلمان حکمرانوں کی جانب سے ان کی حمایت اور سپورٹ ہے۔ عوامی امنگوں کے برعکس یہ حکمران امریکہ کے اتحادی' بلکہ دست و بازو بنے ہوئے ہیں' اور مسلم ممالک اور اُن کے وسائل پر قبضے اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ کو روکنے کی شیطانی جنگ کو امریکہ کی مرضی کے مطابق جیتنا چاہتے ہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ مغربی دنیا جن لوگوں کو دہشت گرد قرار دیتی ہے ہمارے حکمران اور زر خرید دانشور' اس کی تائید کرتے ہیں جبکہ عوام یہ سمجھتے ہیں کہ اصل دہشت گردی تو وہ ہے جو افغانستان' عراق' کشمیر اور فلسطین میں ہو رہی ہے۔ ہمارے نبی (فداہ ابی و امی) نے تو اچھے حکمرانوں کی ایک اہم نشانی یہ (باقی صفحہ 19 پر)

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 16 — 7 تا 13 جون 2007ء — 21 تا 27 جمادی الاوّل 1428ھ — شمارہ 22

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور-54000
فون: 6366638 - 6316633 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور-54700
فون: 5869501-03

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک......250 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا------------(2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

''ادارہ کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں''

رُباعیات

بالِ جبریل

اکتیسویں رباعی

خرد واقف نہیں ہے نیک و بد سے
بڑھی جاتی ہے ظالم اپنی حد سے
خدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے
خرد بیزار دل سے دل خرد سے!

عقل نہ جانے کیوں اپنی حدود سے آگے نکل جاتی ہے، جبکہ بقول اقبال اس میں تو نیک و بد کی تمیز بھی نہیں ہے۔ یوں لگتا ہے کہ اس رباعی میں اقبال کسی ذہنی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ اس کا اندازہ اس شعر سے ہوتا ہے، جس میں کہتے ہیں کہ نہ معلوم میں کس صورتِ حال میں گُم ہو کر رہ گیا ہوں کہ میری عقل، دل سے بیزار ہے اور دل عقل سے بیزار لگتا ہے۔

بتیسویں رباعی

خدائی اہتمامِ خشک و تر ہے
خداوندا خدائی دردِ سر ہے
ولیکن بندگی استغفراللہ
یہ دردِ سر نہیں دردِ جگر ہے

اے مالکِ دو جہاں! بے شک یہ حقیقت اپنی جگہ درست سہی کہ پوری کائنات میں خشک و تر کا اہتمام تجھے ہی سزاوار ہے۔ ہم انسانوں کے لئے خدائی دردِ سر کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن میں جو تیرا حقیر بندہ ہوں، اُس کے لیے بندگی کی جو ذمہ داریاں ہیں، اُن کو بروئے کار لانا تو دردِ جگر سے کم نہیں، جو دردِ سر سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔

تینتیسویں رباعی

یہی آدم ہے سلطاں بحر و بر کا؟
کہوں کیا ماجرا اس بے بصر کا!
نہ خود بیں نے خدا بیں نے جہاں بیں!
یہی شہ کار ہے تیرے ہُنر کا؟

عشقِ الٰہی کی یہ منزل ہر کسی کے مقدر میں نہیں ہوتی۔ اقبال کے بیشتر عارفانہ کلام بالخصوص زیرِ شرح رباعی کے متن سے اس امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ عشقِ الٰہی کی اس منزل تک رسائی حاصل کر چکے تھے۔ اس رباعی میں اقبال بے تکلفانہ انداز میں اپنے پالنے والے سے مخاطب ہیں۔ چنانچہ وہ مالکِ حقیقی سے استفسار کرتے ہیں کہ اس انسان کو تُو نے خشکی اور تری کا حکمران بنا دیا ہے۔ کیا یہی تیرے تخلیقی ہُنر کا شاہکار ہے؟ کہ اگر اس کی حقیقت کا تیرے روبرو انکشاف کروں تو بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ اس کی بے بصیرتی کا یہ عالم ہے کہ نہ اسے اپنی حقیقت کا کچھ علم ہے نہ تیری معرفت کا ادراک ہے اور نہ ہی وہ کائنات کے سربستہ رازوں سے آگاہ ہے۔ اس صورتِ حال میں اُس کو تُو نے جو مرتبہ بخشا ہے، اُس پر حیرت کے سوا اور کس جذبے کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔

چونتیسویں رباعی

دامِ عارف نسیم صبحدم ہے
اِسی سے ریشۂ معنی میں نَم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

اِس رباعی میں کہا گیا ہے کہ جو شخص صاحبِ عرفان ہوتا ہے، اُس کا سانس بھی نسیمِ سحری کے مانند لطافت کا حامل ہوتا ہے، اور اسی کے سبب انسان ابدی حقیقت سے آشنا ہوتا ہے۔ اس کی ایک اہم مثال اللہ تعالیٰ کے دو پیغمبروں حضرت شعیبؑ اور حضرت موسیٰؑ کی ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے اوّل اوّل حضرت شعیبؑ کی بکریاں چرائیں۔ پھر اُن کے اتنے محبوب ہو گئے کہ حضرت شعیبؑ نے انہیں اپنا داماد بنا لیا اور بیٹی اُن کے نکاح میں دے دی۔ مُراد یہ ہے کہ صاحبِ عرفان کسی بھی معمولی شخص کو انتہائی رفعتوں سے دوچار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

پینتیسویں رباعی

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے!
وہ دِل، وہ آرزو باقی نہیں ہے!
نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہے تو باقی نہیں ہے!

اقبال کے بقول ملت کی رگوں میں ماضی کی طرح خون کی وہ گردش نہیں رہی، جو جوشِ عمل سے دوچار کرتی تھی۔ پھر یہ بھی ہے کہ نہ تو دل میں خلوص باقی رہا ہے، نہ ایسی خواہش جو عروجِ انسانی کی مظہر ہوتی ہے۔ ہر چند کہ آج بھی ظاہری سطح پر نماز، روزہ، قربانی اور حج تو باقی رہ گئے، لیکن افسوس ناک امر یہ ہے کہ وہ مسلمان باقی نہیں رہا جس کی شخصیت اور کردار ان خصوصیات کے اہل گردانے جاتے تھے۔

موجودہ عدالتی بحران اور

اسلام کا عدالتی نظام

مسجد دارالسلام' باغ جناح' لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کے یکم جون مئی 2007ء کے خطبۂ جمعہ کی تلخیص

[آیاتِ قرآنی کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد!]

حضرات! حکومت اور عدلیہ کا جو تنازعہ چل رہا ہے، اس سے ملک میں سخت تناؤ کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔ حکومت کے خلاف وکلاء کی تحریک زوروں پر ہے، اور سیاسی فضا سخت کشیدہ ہے۔ عدالتی بحران کے تناظر میں عام آدمی کے ذہن میں بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر اسلام میں عدلیہ کا تصور کیا ہے، عہد خلافت راشدہ میں عدلیہ کا کیا مقام تھا۔ کیا اُس دور میں بھی ججوں کو معزول کیا گیا، اگر کیا گیا تو کس بنیاد پر، اور کیا سربراہ مملکت کو قانون کے معاملے میں خصوصی استثناءات حاصل ہوتے ہیں، یا وہ بھی عام شہری کی طرح قوانین اور دستور کا پابند ہوتا ہے، اور عدالت کو جوابدہ ہوتا ہے۔ آج کی نشست میں ایسے ہی سوالات پر گفتگو پیش نظر ہے۔

اسلام میں عدل پر بہت زور دیا گیا ہے۔ عدل کی دو سطحیں ہیں: نظام عدل اجتماعی اور عدالتی نظام۔

پہلی سطح: نظام عدل اجتماعی عدل کی پہلی اور بلند تر سطح ہے۔ اِس سے مراد ایک ایسا عادلانہ نظام ہے، جو سیاسی، معاشی اور معاشرتی ہر سطح پر عدل و انصاف پر مبنی ہو۔ رسولوں کی جدوجہد کا دنیا میں ہدف اِسی نظام کا قیام تھا۔ فرمایا:

﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ﴾ (الحدید:25)

''ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور اُن پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (یعنی قواعدِ عدل) تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔ اور لوہا پیدا کیا۔ اس میں (اسلحۂ جنگ کے لحاظ سے) خطر بھی شدید ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں۔''

یہاں، کتاب سے مراد اپنے اپنے دور میں انسانیت کی ہدایت کے لئے اُترنے والی آسمانی کتاب ہے، اور میزان کا مطلب ہے نظام عدل اجتماعی (System of Social Justice)۔ رسولوں کو کتاب اور میزان دونوں چیزیں عطا کی گئیں۔ غرض و غایت کیا تھی، تا کہ لوگ عدل و انصاف پر قائم رہیں۔ کسی بھی پہلو سے کسی پر ظلم و زیادتی نہ ہونے پائے۔ اور ساتھ ہی اللہ نے لوہا بھی اتارا۔ اِس لئے کہ جو لوگ نظام عدل کے نفاذ میں رکاوٹ بنیں اِس کے ذریعے اُن کی سرکوبی کی جائے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہر دور میں ایک محدود [illegible]ت جو مراعات یافتہ لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے، اور ہر قسم کے وسائل پر قابض ہوتی ہے، انقلاب کی راہ روکتی ہے۔ یہ لوگ ایسے نظام کے نفاذ کی سخت مخالفت کرتے ہیں، جو ریاست کے تمام باشندگان کو مساوات اور انصاف فراہم کرے، انہیں خوشحالی سے ہمکنار کرے، انہیں آسودگی عطا کرے، اور بالا طبقات کی چیرہ دستیوں سے انہیں نجات دلائے۔ ہمارے ملک میں اِس کی سب سے بڑی مثال جاگیردار اور سرمایہ دار طبقہ ہے۔ یہ لوگ ہرگز برداشت نہیں کر سکتے کہ اِن کے علاقے میں تعلیم عام ہو اور لوگوں میں شعور بیدار ہو۔ آپ انہیں اربوں روپے کے فنڈز بھی دے دیں، وہ مدارس اور سکول قائم نہیں کریں گے، کیونکہ تعلیم کی روشنی عام ہو گی، تو شعور بیدار ہوگا، اور پسے ہوئے محروم طبقات میں غلامانہ زندگی سے نجات حاصل کرنے کی فکر نشو و نما پائے گی، اور یوں اِن کی ''آقائیت'' کو خطرہ لاحق ہوگا۔ یہ لوگ تعلیم، شعور کی بیداری اور انقلابی دعوت کو کیونکر گوارا کریں گے، جبکہ انہیں معلوم ہے کہ اِس سے آقا و بندہ کی تمیز مٹ جائے گی، اور ایک عادلانہ نظام کے غلبے سے اُن کی ''خدائی'' کے بت پاش پاش ہو جائیں گے۔

بہر حال رسولوں کی آمد کی جہاں غرض و غایت یہ تھی کہ وہ دنیا والوں پر حق واضح کر دیں تا کہ اُن پر حجت قائم ہو جائے، وہاں دنیا میں اُن کی جدوجہد کا ہدف نظام عدل کا قیام تھا۔ نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت بھی دینِ حق، نظام عدل کا غلبہ تھا۔ قرآن حکیم میں آپ سے یہ بھی فرمایا گیا کہ ''(اے نبی) آپ کہہ دیجئے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے مابین عدل کروں۔'' آپؐ نے 23 سال کی محنت کے نتیجے میں جزیرۃ العرب میں یہ نظام غالب کر دیا۔ ایک ایسی سوسائٹی کی تشکیل کی جس میں سیاسی، سماجی اور معاشی ہر پہلو میں عدل کی حکمرانی تھی۔ اب یہی مشن اُمت محمدیہ ﷺ کو بھی سونپا گیا ہے۔ دنیا میں مسلمانوں کی جدوجہد کا آخری ہدف بھی اسلام کے عادلانہ نظام کا قیام ہے۔ فرمایا:

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾ (الشوریٰ:13)

''اُس نے تمہارے لئے دین کا وہی رستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے کا) نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے محمد ﷺ) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے۔ اور جس کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اُس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔''

یہ دین اِس لئے نہیں دیا گیا کہ اِس کے قصیدے پڑھے جائیں، بلکہ اِس لئے عطا کیا گیا کہ اُسے غالب اور سربلند کیا جائے۔ اِس کا نظام عدل اجتماعی قائم کیا جائے، تا کہ انسانیت راہ بندگی پر چلتے ہوئے بے لاگ عدل و انصاف سے مستفید ہو سکے، اُسے سیاسی، سماجی اور معاشی حقوق حاصل ہوں، اور کسی بھی میدان میں کسی شخص کا استحصال نہ ہونے پائے۔ اس نظام کے قیام کے جدوجہد عمومی طور پر تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے، اور خصوصی طور پر یہ ذمہ داری مسلمان حکمرانوں کی ہے۔ خلفائے راشدین نے یہی ذمہ داری نبھاتے ہوئے خلافت سسٹم (نظام اجتماعی) قائم کیا۔ اور انہی خطوط پر قائم کیا جن پر رسول اللہ ﷺ نے یہ نظام قائم کیا تھا۔ اسی لئے خلافت راشدہ کو خلافت علی منہاج النبوۃ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک مثالی نظام تھا۔ چنانچہ ہمیں سیاسی، سماجی اور معاشی زندگی کے کسی بھی پہلو کے حوالے اگر کوئی مثال دینی ہو، تو اُس کے لیے رول ماڈل یہی نظام ہوگا۔ آج انسانیت اِسی نظام کی تلاش میں سرگرداں ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ یہی نظام اُسے دکھوں اور آلام سے نجات دلا سکتا ہے۔ اور یہی وہ نظام ہے جس کے بالفعل قیام سے مسلمانوں کو موجودہ زبوں حالی سے نجات مل سکتی ہے۔

دوسری سطح: عدل کی دوسری سطح منصفانہ عدالتی نظام ہے، جو نظام عدل اجتماعی کے تحت وجود میں آتا ہے۔ یہ گویا System of Social Justice ہی کا ایک گوشہ ہے۔ عدلیہ اِس لئے وجود میں آتی ہے، تا کہ لوگوں کے تنازعات کو حل کرے، اور اگر کوئی فرد یا گروہ کسی کے حقوق پر ڈاکہ ڈالیں، تو انہیں سزا دے۔ حق تلفی اور ظلم کا دروازہ بند ہو سکے۔

دوسروں کے حقوق پر دست درازی بالعموم تین معاملوں میں ہوتی ہے۔ کسی کی جان کو نقصان پہنچانا، دوسرے کسی کے مال کو ہتھیانا، معاشی حقوق سے محروم کرنا اور تیسرے کسی کی عزت و آبرو پر حملہ کرنا۔ اسلام نے ان تینوں معاملوں یعنی جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ پر بہت زور دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ایک مسلمان کا خون (یعنی جان)، مال اور عزت دوسرے پر حرام ہے" اگر ان میں کوئی کوتاہی ہوتی ہے، اگر کسی کے جان و مال یا عزت و آبرو کو نقصان پہنچتا ہے ـــ خواہ کسی فرد یا گروہ کے ہاتھوں، خواہ ریاست کے ہاتھوں ـــ تو عدلیہ اُس حق تلفی کا ازالہ کرے گی کہ یہ اُس کے وجود کی اصل غرض و غایت ہے۔

اسلام میں عدلیہ کے ادارہ کو اور اس کی جانب سے عدل کی فراہمی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ سورۃ النحل میں عدل کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (٩٠) ﴾

"اللہ تم کو انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے۔ اور بے حیائی اور نامعقول کاموں اور سرکشی سے منع کرتا ہے، (اور) تمہیں نصیحت کرتا ہے، تاکہ تم یاد رکھو۔"

اور سورۃ النساء میں ارشاد ہوا:

﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ (النساء:58)

"اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔"

یہی بات حضرت داؤدؑ سے بایں الفاظ فرمائی گئی:

﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾ (ص:26)

"اے داؤدؑ ہم نے تم کو زمین پر بادشاہ بنایا ہے، تو لوگوں میں انصاف کے فیصلے کیا کرو۔"

اور آگے انہیں متنبہ کیا گیا:

﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (ص:26)

"اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔"

بعض اوقات خواہش نفس کی پیروی عدل سے منحرف کر دیتی ہے۔ فرض کریں کسی شخص سے جج کی دشمنی چلی آرہی ہے۔ اب اگر اسی کے معاملے میں کیس جج کے پاس آگیا ہے، تو نفس تو یہی کہے گا کہ فیصلہ اُس کے خلاف کیا جائے، خواہ وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو۔ اب اگر نفس کی پیروی کرتے ہوئے فیصلہ کیا گیا تو یہ انصاف کا خون ہوگا۔ لہٰذا اس حکم کے ساتھ کہ لوگوں کے مابین عدل کا فیصلہ کرو اس بات سے منع کر دیا گیا کہ آدمی خواہش نفس کی پیروی کرے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ راہ حق سے بھٹک جائے گا۔ سورۃ الانعام میں فرمایا:

﴿ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ﴾ (آیت:152)

"اور جب (کسی کی نسبت) کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو، گو وہ (تمہارا) رشتہ دار ہی ہو۔"

عربوں میں عصبیت جاہلیہ کے زیر اثر یہ تصور پایا جاتا تھا کہ ہم نے ہر صورت میں اپنے قبیلے کا ساتھ دینا ہے۔ اگر ہمارے قبیلے کے کسی شخص کی لڑائی کسی دوسرے قبیلے کے شخص سے ہوئی ہے، تو ہم نے تو اپنے قبیلے کے فرد ہی کا ساتھ دینا، اور اُس کی حمایت کرنا ہے۔ اِس بات سے قطع نظر کہ وہ حق پر ہے یا نہیں۔ جاہلیت کے برعکس اسلام نے یہ تعلیم دی کہ اصل اہمیت قومی یا قبائلی عصبیت کی نہیں، اصول عدل کی ہے۔ لہٰذا تمہارے لئے اِس کی پاسداری ضروری ہے، خواہ اس کی زد کسی پر بھی پڑے۔ اِس بات کو سورۃ المائدہ میں اور زیادہ موکد انداز میں واضح کیا گیا۔ فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (٨) ﴾

"اے ایمان والو! اللہ کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو۔ اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے، کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔"

اب جائزہ لیتے ہیں اِس امر کا کہ عہد رسالت اور دورِ خلافت راشدہ میں عدالتی نظام کی صورت کیا تھی؟ عہد نبویؐ میں عدلیہ کا باقاعدہ ادارہ موجود نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ جس طرح سربراہ مملکت تھے، قاضی القضاۃ بھی تھے، اور لوگوں کے تنازعات کا فیصلہ فرماتے تھے۔ بعض اوقات آپؐ یہ ذمہ داری کسی اور صحابی کے لگا دیتے تھے کہ وہ لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرے۔ اکثر و بیشتر یہ ذمہ داری حضرت عمر فاروقؓ کے سپرد کی جاتی تھی۔ اِس طرح عدلیہ کا باقاعدہ ادارہ اگرچہ ابھی وجود میں نہ آیا تھا، لیکن عدالتی نظام کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں بھی قریب قریب یہی صورت تھی۔

پریس ریلیز یکم جون 2007ء

"اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف سے شادی شدہ زانی کی سزا کو سو کوڑوں تک محدود رکھنے کی سفارش قابل مذمت ہے"

حافظ عاکف سعید

عدل و انصاف کی فراہمی کو یقینی بنانا حکومت کی اوّلین ذمہ داری ہے۔ حکمران اگر عوام کو عدل و انصاف فراہم نہیں کر سکتے اور 45 قیمتی انسانی جانوں کے ضیاع پر ان کا طرز عمل یہ ہے کہ مظلوموں اور لواحقین کی دادرسی تو دور کی بات ہے، محض تحقیقات کرانا بھی اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتے، تو اخلاقاً ان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ حکمران بن کر رعایا پر مسلط رہیں۔ ایک حدیث کے مطابق ایسے حکمران قیامت کے روز اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض ہوں گے۔ ان باتوں کا اظہار خیال امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد دارالسلام میں خطاب جمعہ کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا کہ 12 مئی کو 45 افراد خون میں نہا گئے جبکہ ایک قتل ناحق کو اللہ نے پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے۔ مقتول کے ورثاء کے سامنے قاتلوں کو پکڑ کر پیش کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے اور ہماری حکومت ٹس سے مس نہیں ہوئی۔ حکومت کو تو اس بات کی فکر ہے کہ ہماری رٹ کو چیلنج کر دیا گیا ہے۔ لیکن امن عامہ کے حوالے سے وہ اپنی ذمہ داری سے یکسر غافل ہے بلکہ اس کا طرز عمل مجرمانہ ہے۔ انہوں نے موجودہ حالات میں حکومت اور عدلیہ کے مابین تنازعہ کے حوالے سے فرمایا کہ اسلام میں سربراہ مملکت قانون سے بالاتر نہیں، بلکہ عام شہری کی طرح ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ ایک قاضی کو معزول کیا تھا تو اس وجہ سے کہ انہوں نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کی مدعی کے مقابلے میں تعظیم و تکریم کی تھی۔ آپؓ نے فرمایا کہ یہ ظلم ہے کہ مجھے عدالت میں میرے فریق مقابل سے زیادہ اہمیت دی جائے۔ یہ دورِ خلافت راشدہ کی مثال ہے کہ امیر المومنین نے قاضی کو معزول صرف اس وجہ سے کیا کہ قاضی نے انھیں عدالت میں ایک عام شہری سے بڑھ کر عزت دی تھی۔ انہوں نے کہا کہ اللہ ہمارے حکمرانوں کو توفیق دے کہ وہ سچے مسلمان بن کر دکھائیں اور ہمیں بھی سچے مسلمان بن کر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

بعد ازاں امیر تنظیم نے اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف سے شادی شدہ زانی کی سزا کو سو کوڑوں تک محدود رکھنے کی سفارش کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ آج کے یہ نام نہاد دانشور دین کے ایک اجماعی معاملے کے خلاف رائے دے کر دین میں بگاڑ پیدا کرنے کے درپے ہیں۔ شریعت اسلامی میں شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہے۔ پوری امت قرآن کے ساتھ ساتھ سنت رسول ﷺ کو بھی دین کا ماخذ سمجھتی ہے۔ قرآن کو سنت سے جدا کرنے کی کوشش دین کی جڑیں کھودنے کے مترادف ہے۔ (جاری کردہ: مرکزی شعبۂ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی)

مقدمات خلیفہ کے سامنے پیش کئے جاتے تھے، اور آپ زیادہ تر مقدمات کے فیصلوں کے ضمن میں حضرت عمر فاروقؓ ہی کی ذمہ داری لگاتے، کہ وہ اِن کا فیصلہ کرلیں۔

حضرت فاروق اعظمؓ کے عہدِ خلافت میں فتوحات کی کثرت کے نتیجے میں اسلامی سلطنت کی توسیع ہوئی۔ پوری مملکت فارس اسلامی حکومت کے زیرنگیں آ گئی، اسلامی ریاست کی سرحدیں ہندوستان سے افریقہ تک پھیل گئیں۔ لوگ بکثرت دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ بدلتی ہوئی صورتحال میں اِس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ عدلیہ کا باقاعدہ ادارہ معرضِ وجود میں لایا جائے۔ حضرت عمرؓ جو دین کے مزاج سے پوری طرح آگاہ تھے، انہی کے متعلق رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ اگر میرے بعد کوئی اور نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتے۔ آپؓ نے اِس ضرورت کا ادراک کیا، اور پہلی مرتبہ انتظامیہ اور عدلیہ کو الگ الگ کر کے، باقاعدہ عدالتی ڈھانچے کی تشکیل کی۔ اِس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ عدلیہ اور انتظامیہ کی علیحدگی کے جس تصور تک دنیا آج پہنچی ہے، غلامانِ محمد ﷺ نے چودہ سو سال پہلے نہ صرف اِس تصور سے دنیا کو متعارف کرایا، بلکہ اِس پر مبنی عدالتی ڈھانچہ بھی قائم کر کے دکھا دیا تھا۔

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ نے عدلیہ کے لئے کچھ اصول طے کئے تھے، جن میں سے چند کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔ یہ اصول قرآن وسنت سے ماخوذ ہیں۔

پہلا اصول یہ ہے کہ قاضی بلاتخصیص عہدہ ومقام تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے۔ کوئی شخص اگر حکمران ہو یا کوئی اور اعلیٰ عہدیدار یا عام شہری عدالت کی نظر میں سب برابر ہیں۔ اِس سلسلے میں یہ واقعہ اسلام کے بے لاگ عدل اور تصورِ مساوات کی اعلیٰ مثال ہے۔

حضرت عمرؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ کے درمیان ایک تنازعہ ہو گیا۔ ابی بن کعبؓ نے قاضی زید بن ثابتؓ کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے عدالت میں حاضر ہوئے۔ قاضی زید بن ثابتؓ خلیفہ کے لئے تعظیماً کھڑے ہو گئے، اور حضرت عمرؓ کو بیٹھنے کے لئے خاص جگہ دی۔ آپؓ نے فرمایا کہ آپ نے جو یہ امتیاز برتا ہے یہ پہلا ظلم کیا ہے، ابی بن کعبؓ اور میرے ساتھ یکساں سلوک ہونا چاہیے تھا۔ یہ کہہ کر آپ اُس خاص جگہ بیٹھنے کی بجائے حضرت ابی بن کعبؓ کے برابر جا بیٹھے۔ حضرت ابی کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا اور حضرت عمرؓ کو اِس دعویٰ سے انکار تھا۔ اب ابی بن کعب نے مطالبہ کیا کہ عدالتی قانون کے مطابق حضرت عمرؓ قسم کھائیں۔ قاضی زید بن ثابت نے حضرت عمرؓ کے مقام و مرتبہ اور حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ابی بن کعب سے کہا: کہ امیر المومنین کو تو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمرؓ اِس طرفداری پر بہت رنجیدہ ہوئے اور قاضی زید بن ثابت سے کہا جب تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمرؓ برابر نہ ہوں تو تم منصب قضاۃ کے قابل نہیں ہو۔ اور چند روز بعد انہیں منصب قضاۃ سے معزول کر دیا گیا۔

اِس واقعہ سے اسلام کے عدالتی نظام سے متعلق تین باتیں معلوم ہوئیں:

☆ پہلی یہ کہ قاضی تمام لوگوں سے یکساں سلوک کرے۔

☆ دوسری یہ کہ عدالتی قوانین سے کوئی بڑا سے بڑا عہدیدار بھی بالاتر نہیں۔ خلیفۂ وقت کو اپنے خلاف لگائے جانے والے الزامات کے جواب کے لئے عدالت کے کٹہرے میں حاضر ہونا پڑے گا۔

☆ تیسری یہ کہ اگر کسی قاضی کو معزول کیا جا سکتا ہے تو کس بنیاد پر کیا جا سکتا ہے۔

دوسرا اصول یہ دیا کہ البینة علی المدعی۔ یعنی ثبوت فراہم کرنے کی ذمہ داری مدعی کی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ لے کر آیا ہے کہ فلاں شخص نے میرا مال کھایا ہے، میرا نقصان کیا ہے، میرا حق تلف کیا ہے، تو اُسے ثبوت فراہم کرنا ہوگا۔ یہ وہ اصول ہے جسے آج پوری دنیا مانتی ہے۔ اگر مدعی ثبوت پیش نہ کر سکے تو جس کے خلاف دعویٰ دائر کیا گیا ہے، اگر وہ قسم کھا لے کہ مجھ پر لگایا گیا الزام جھوٹا ہے، تو وہ بری ہو جائے گا۔ محض ظن یا قیاس کی بنیاد پر کسی کو سزا نہیں دی جا سکتی۔ بغیر ثبوت کے سو مجرم چھوٹ جائیں تو کوئی حرج نہیں، مگر ایک بھی بے گناہ شخص کو سزا نہیں ملنی چاہیے۔ دیکھئے یہ اسلام کا کتنا عادلانہ اصول ہے، اِس کے برعکس ہمارے ہاں فرسودہ نظام کا نتیجہ ہے کہ قتل کے مقدمات میں بعض اوقات بے گناہوں کو بھی پھانسی پر لٹکا دیا جاتا ہے۔

ایک اور اصول یہ ہے کہ مقدمات کے عدالت میں ہونے کے باوجود فریقین اگر چاہیں تو باہم صلح کر سکتے ہیں۔ اُن کے لیے یہ راستہ کھلا ہے۔ الا یہ کہ معاملہ ایسا ہو کہ جہاں قانون کی خلاف ورزی ہوئی ہو، اور وہ اُس معاملہ میں فیصلہ کرنے کی مجاز حکومت ہو، وہاں صلح سے بات نہیں بنے گی۔

ایک اصول یہ بھی ہے کہ قاضی اپنی مرضی سے فیصلہ کرنے کے بعد اپنے فیصلہ پر نظرثانی بھی کر سکتا ہے۔ یہ نہیں کہ اُس نے ایک بار فیصلہ کیا، اب اُس میں ترمیم وتبدیلی نہیں ہو سکتی۔

ایک اور اصول یہ ہے کہ اگر مدعا علیہ عدالت میں حاضر نہ ہو رہا ہو، اور اپنے آپ کو بچا رہا ہو، تو اِس صورت میں یکطرفہ فیصلہ بھی ہو سکتا ہے بشرطیکہ مدعا علیہ اپنے پیش نہ ہونے کا معقول عذر پیش نہ کر سکے۔

متذکرہ اصولوں کے علاوہ حضرت عمر فاروقؓ نے بعض ایسے ضوابط بھی وضع کئے کہ جن کی بنا پر حکام رشوت وصول نہ کر سکیں۔ مثال کے طور پر آپؓ نے قاضیوں کی اجرت سب سے زیادہ مقرر کی۔ اِس معاملے میں انہیں Highest level پر رکھا۔ اِس کے علاوہ آپؓ نے یہ اصول بھی مقرر کیا کہ منصب قضاۃ پر معزز (صاحب حیثیت) اور خوش حال لوگوں کو مقرر کیا جائے۔ ان دونوں باتوں کی توجیہ آپؓ نے یہ بیان فرمائی کہ قاضی کی زیادہ تنخواہ اور مشاعرہ اُسے رشوت کی طرف راغب نہیں ہونے دے گا اور اعلیٰ حسب ونسب ہونے سے اُس پر فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب کا اثر نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں جب آپؓ کسی کو قاضی مقرر کرتے، اُس کا امتحان بھی لیتے تھے۔ یہ ہے اسلام کا وہ بے نظیر عدالتی نظام جس نے ہر قسم کے ظلم اور زیادتی کا خاتمہ کیا۔

حضرات! اب ایک اہم پہلو کی جانب آپ کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں۔ حکومت کا کام عدل وانصاف کی فراہمی کو یقینی بنانا ہے۔ حکمران اور رعایا کا آپس میں دوطرفہ تعلق ہوتا ہے۔ حکمران کو اللہ نے یہ اتھارٹی دی ہے کہ رعایا اُس کی اطاعت کرے، اب اُس کا بھی یہ فرض ہے کہ عوام کو بہر صورت عدل و انصاف فراہم کرے۔ اِس فریضہ کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہ کرے۔ اگر وہ رعایا کو انصاف فراہم نہیں کرتا تو اخلاقی طور پر اُسے کوئی حق نہیں رہتا کہ وہ حکمران بن کر اُن پر مسلط رہے۔ ایسا شخص اللہ کے ہاں بھی مجرم قرار پائے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب اور اس کی بارگاہ میں سب سے زیادہ مقرب انصاف کرنے والا حکمران ہوگا اور اس دن اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور اس کی بارگاہِ عالی سے سب سے زیادہ بعید "ظالم حاکم" ہوگا۔" (رواہ الترمذی)

12 مئی کو ہمارے ملک میں بہت بڑا سانحہ رونما ہوا۔ کراچی شہر خون میں نہا گیا۔ 45 افراد بے گناہ قتل کر دیئے گئے۔ ہمارے دین میں ایک بھی بے گناہ کا قتل اتنا بڑا جرم ہے کہ قرآن اِسے انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے:

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا﴾

(المائدہ:32)

"جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے اُس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا۔"

حکمرانوں کی یہ اولین ذمہ داری ہے کہ انصاف کی فراہمی کی غرض سے قاتلوں کو پکڑ کر ورثاء کے سامنے لائیں، مگر افسوس کہ حکمران اپنی ذمہ داری سے غافل ہیں۔ کس قدر ستم ظریفی ہے کہ اتنے افراد کا قتل عام ہوا اور کہا یہ جا رہا ہے کہ قتل کی تحقیقات کی کوئی ضرورت نہیں۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت خود مجرم ہے۔ ہماری حکومت کو اِس بات کی فکر تو ہے کہ فلاں جگہ ہماری رٹ کو چیلنج کر دیا گیا ہے، مگر امن وامان کے قیام اور انصاف کی فراہمی جیسے بنیادی فرائض سے اُس نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ ایسے لوگوں کو حکومت کا کوئی حق نہیں...... ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی غلطی پر اللہ سے اور قوم سے معافی مانگے۔ مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں لائے، اور پھر یہ کہ اُس نظام عدل اجتماعی کو قائم کرے، جو اسلام نے عطا کیا ہے۔ اسی نظام کے ذریعے ہم ترقی واقبال کی منزل حاصل کر سکتے ہیں، اپنے مسائل پر قابو پا سکتے ہیں، اور اللہ کی نگاہ میں سرخرو ہو سکتے ہیں، ورنہ ذلت ورسوائی کا یہ سفر جاری رہے گا، کہیں رکنے نہ پائے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلامی ضابطۂ حیات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق دے، اور ہمارے حکمرانوں کو بھی یہ توفیق عطا فرمائے کہ وہ نظام عدل اجتماعی کے قیام کے لئے اپنی ذمہ داریاں ادا کریں۔ (آمین)

(مرتب: محبوب الحق عاجز)

طالبانائزیشن اور پاکستان

ایک جائزہ

محترم ڈاکٹر اسرار احمد

اسلام آباد میں جامعہ حفصہؓ کی طالبات کے اقدام کا معاملہ ہو یا کسی مذہبی حلقے کی جانب سے شمالی علاقہ جات میں حجاموں کو داڑھی مونڈھنے سے روکنے کا اعلان ہو، فوراً مغربی میڈیا میں شور برپا ہو جاتا ہے کہ پاکستان ''طالبانائزیشن'' کی جانب بڑھ رہا ہے اور ایسے معاملات پر مغربی تبصرہ نگار ایسی ''دور دور کی کوڑیاں'' لاتے ہیں کہ دنیا دنگ رہ جائے۔ پاکستان میں بھی بعض دینی حلقوں کا یہ خیال ہے کہ ہمارے مسائل کا حل ''طالبانائزیشن'' کے ذریعے ممکن ہے۔ بہرحال طالبان حکومت کے خلاف عالم کفر کے اجماع سے گویا یہ ثابت ہو گیا کہ افغانستان میں اسلام اُبھر رہا تھا اور اس سے باطل اور شیطانی قوتوں کو شدید خطرات لاحق ہو گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُسے بزعم خویش جڑ سے اکھاڑ دیا گیا۔ اس وقت ہمیں جائزہ لینا ہوگا کہ ''طالبان'' کون ہیں؟ اور کیا پاکستان میں ''طالبانائزیشن'' کا کوئی امکان موجود ہے؟

سب سے پہلے طالبان کے مسئلے کو دیکھا جائے کہ یہ ''مخلوق'' کیسے معرض وجود میں آئی، جسے دنیا میں آج ایک ''ہوا'' بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کے لیے ہمیں افغانستان کے تاریخی پس منظر میں جھانکنا پڑے گا۔ موجودہ افغانستان کوئی بہت پرانا ملک نہیں۔ ایرانی کہتے ہیں کہ افغانستان ہمیشہ سے ہمارے ملک کا حصہ رہا ہے اور ان کا یہ دعویٰ غلط نہیں ہے، کیونکہ افغانستان ماضی میں ایران یا کبھی ہندوستان کا حصہ رہا ہے۔ ماضی میں افغانستان کے نام سے علیحدہ ملک کبھی بھی نہیں رہا۔ موجودہ افغانستان احمد شاہ ابدالی کے دور میں قائم ہوا، جنہیں احمد شاہ بابا کہا جاتا تھا۔ گویا وہ ''بابائے افغانستان'' یا ''قائداعظم افغانستان'' تھے۔ انہوں نے جس افغانستان کی بنیاد رکھی تھی وہ آج دنیا میں قائم ہے۔ افغانستان میں گزشتہ 28 برسوں میں ہونے والی پے در پے تبدیلیوں سے قبل ظاہر شاہ کی حکومت تھی اور اس کے چھ نمایاں اوصاف (Salient features) تھے۔ پہلا وصف نچلی سطح پر قبائلی نظام اور بالاتر سطح پر مستحکم شہنشاہی نظام تھا۔ یعنی قبائل کی بنیاد پر بادشاہت مضبوطی سے قائم تھی۔ دوسرا وصف افغانستان کے سابق سوویت یونین (USSR) سے بہت گہرے مراسم تھے، جس کی وجہ سے روس نے افغانستان میں بہت ترقیاتی کام کیے۔ تیسرا وصف افغانستان کی بھارت کے ساتھ بہت گہری دوستی اور پاکستان کے ساتھ شدید دشمنی تھی۔ افغانستان کی اس دشمنی کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ پاکستان کے اقوام متحدہ کے ممبر بننے کے خلاف پوری دنیا میں صرف ایک ووٹ تھا اور وہ ووٹ افغانستان کا تھا۔ اگرچہ 1965ء کی جنگ میں افغان حکومت نے شرافت کا ثبوت دیا اور پاکستان کو یقین دلایا کہ آپ مغرب سے مطمئن رہیں، ہم آپ کی پیٹھ میں چھرا نہیں گھونپیں گے۔ ظاہر شاہ حکومت کا چوتھا وصف یہ کہ ان کے دور میں دارالحکومت کابل مغربی تہذیب میں پوری طرح ڈوبا ہوا تھا۔ پورے طور پر وہی مغربی تہذیب، وہی فحاشی وعریانی، غرضیکہ تمام چیزیں جوں کی توں تھیں۔ گویا اس دور کے کابل کا پیرس کے ساتھ تقابل کیا جا سکتا تھا۔ پانچواں وصف افغان بیوروکریسی اور تعلیم یافتہ طبقات میں کمیونسٹوں کا بہت گہرا اثر ونفوذ تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اکثر افغان روس سے پڑھ لکھ کر آتے تھے۔ ظاہر شاہ حکومت کا چھٹا اور آخری نمایاں وصف یہ تھا کہ وہاں دو مضبوط جماعتیں ''خلق'' اور ''پرچم'' کے نام سے موجود تھیں اور دونوں کمیونسٹ تھیں۔ ان کے علاوہ تیسری سیاسی جماعت کا سرے سے وجود ہی نہ تھا۔

یہ حالات آج سے تقریباً اٹھائیس برس قبل افغانستان کے تھے۔ اس کے بعد افغانستان میں تبدیلیوں کا ایک دور آیا۔ پہلے داؤد نے ظاہر شاہ کا تختہ الٹا اور اس کے بعد پے در پے بغاوتوں کا دور شروع ہوا۔ کبھی محمد امین، کبھی ببرک کارمل، کبھی نجیب اللہ افغان صدر رہے مگر کمیونسٹوں کا نظام وہاں مستحکم نہ ہو سکا۔ اس موقع پر علماء کی جانب سے بھی مزاحمت ہوئی لیکن اُسے سختی سے کچل دیا گیا اور روس نے آپس کی خانہ جنگی سے فائدہ اُٹھا کر افغانستان پر براہ راست حملے کا فیصلہ کیا جو اُس کی بہت بڑی غلطی تھی۔ افغانستان پر روسی حملے نے عوام میں شدید ردّعمل کو جنم دیا کیونکہ آزادی افغان قوم کی گھٹی میں ہے۔ چنانچہ پوری قوم اُٹھ کھڑی ہوئی اور تمام علماء نے روس کے خلاف جہاد کا فتویٰ دے دیا۔ لہٰذا جہاد شروع ہو گیا۔ راقم کے نزدیک یہ ''جہاد حریت'' تھا، ''جہاد فی سبیل اللہ'' نہیں۔ البتہ اس جہاد میں شہید ہونے والوں کی کافی بڑی تعداد کی نیت اللہ کے دین کو قائم کرنے کی تھی، لہٰذا وہ اللہ کے ہاں اپنی نیت کے حساب سے اجر پائیں گے۔ جہاد حریت بھی دین میں جائز ہے اور اس کے لیے جان دینے والا بھی شہید ہی قرار پاتا ہے۔ اس جہاد میں تقریباً دس لاکھ افغانوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے۔

امریکہ نے اس سنہری موقع سے فائدہ اُٹھایا اور روس سے اپنی شکستوں کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا، اور پاکستان کے ذریعے افغانوں کی بھرپور امداد کی۔ جو مالی بھی تھی اور ہتھیاروں کی صورت میں بھی تھی۔ یہاں تک کہ افغان مجاہدین کو سٹنگر میزائل بھی مہیا کیے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ روس کو شکست فاش ہوئی اور وہ ذلت ناک طریقے سے افغانستان سے رخصت ہوا، اور اسی جنگ کے نتیجے میں کچھ ہی عرصہ بعد سوویت یونین بھی تحلیل ہوگئی اور دنیا میں واحد سپر پاور امریکہ کی حکومت قائم ہوگئی۔

روسی افواج کے انخلاء کے بعد اب ایک نیا دور شروع ہوا، جس میں مجاہدین کی باہمی خانہ جنگی شروع ہوگئی اور اس خانہ جنگی نے بدترین شکل اختیار کی۔ کابل کی اصل تباہی اور بربادی اسی خانہ جنگی کے دوران ہوئی۔ اس خانہ جنگی میں بھی لاکھوں مسلمان ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ اور اب افغان جہاد ایک طعنہ بن گیا کہ یہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں فساد فی سبیل اللہ ہے۔ اس خانہ جنگی کے دو نتیجے نکلے۔ ایک یہ کہ دارالحکومت کابل تباہ و برباد ہو گیا۔ عمارتوں کی کوئی ایک اینٹ سلامت نہ رہی۔ دوسرے یہ کہ ہر جگہ لوکل کمانڈرز نے چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کرلیں۔ قدم قدم پر پھاٹک لگ گئے اور ہر ''ریاست'' نے آنے جانے والوں سے ٹیکس وصول کرنا شروع کر دیے۔ عوام کو لوٹا، کھسوٹا گیا، اور ظلم وتشدد معمول بن گیا۔

اس کے بعد افغانستان کے حالات نے ایک بار پھر کروٹ لی اور ایک نیا دور شروع ہوا کہ جہاد افغانستان کے کچھ مخلص اور نیک مگر صف دوم یا سوم کے کمانڈروں نے اصلاح کا بیڑا اُٹھایا، جن میں ملا محمد عمر اور ملا محمد ربانی (مرحوم) نمایاں لوگ تھے۔ ان کا موقف تھا کہ ہمیں اصلاح کرنی چاہیے ورنہ سارے کے سارے افغان ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔ چنانچہ ملا محمد عمر نے دینی مدارس کے زیر تعلیم یا فارغ التحصیل طلبہ کی مدد سے ہتھیار واپس لینے اور جگہ جگہ قائم پھاٹک ختم کرانے اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے ٹیکس ختم کرانے کی تحریک شروع کی۔ اس تحریک کو اُس وقت کی حکومت پاکستان اور امریکہ نے بھی سپورٹ کیا۔ دراصل امریکہ اُن قائدین سے زیادہ خطرہ محسوس کرتا تھا، جو ماڈرن بنیاد پرست تھے۔ مثلاً حکمت یار، ربانی، عبدالرسول سیاف اور احمد شاہ مسعود وغیرہ

کے بارے میں امریکہ کا خیال تھا کہ یہ جدید تعلیم یافتہ لوگ ہیں اور یہ ہمارے مدمقابل کھڑے ہوجائیں گے، جبکہ دینی مدارس کے طالب علموں کو ہم قابو کرلیں گے اور انہیں کچھ نہ کچھ ''مذہبی کھلونے'' دے کر مطمئن کر لیا جائے گا۔ جیسے سعودی عرب، جیسے مسلمان ملک ہماری جیب میں ہیں، ایسے افغانستان بھی ہماری جیب میں آ جائے گا۔ یہ دوسری بات کہ امریکہ اور اس کے حواریوں کی تمام تدبیریں الٹ گئیں اور طالبان ہی امریکہ کے لیے سب سے بڑا دردِ سر بن گئے۔ افغانستان میں ملا عمر اور ان کے ساتھی ''طالبان'' کو خوش آمدید کہا گیا اور بہت کم مقامات پر جنگ کی نوبت آئی۔ صرف شیعہ علاقوں میں شدید مزاحمت ہوئی اور شاید اس کی وجہ طالبان کا کٹر حنفی مسلک سنی ہونا تھا۔ بہرحال عوام نے ہتھیار پھینک دیئے اور افغانستان کے 95فیصد علاقے پر ایک حکومت قائم ہوگئی اور اس کا نام امارت الاسلامیہ افغانستان رکھا گیا۔

طالبان کی حکومت قائم ہونے سے جو پہلا نتیجہ نکلا وہ یہ کہ افغانستان میں کیمونسٹ عناصر کا خاتمہ ہوگیا۔ وہاں کی جو ایلیٹ کلاس تھی یا قائدین تھے، وہ مرگئے یا بھاگ گئے اور جو چھوٹے درجے کے سرکاری ملازم تھے اور کیمونسٹ رنگ میں رنگے ہوئے تھے، وہ اب منقار زیر پر ہوگئے۔ لہٰذا وہ کھل کر بات نہیں کرسکتے تھے۔ چنانچہ یہ معاملہ وہیں ختم ہوگیا۔ ثانیاً جو مترفین تھے یعنی مالدار آزاد خیال لوگ اور سیکولر طبقہ وہ ملک کو چھوڑ کر چلا گیا۔ بہت سے لوگ امریکہ، فرانس، انگلینڈ میں آباد ہوگئے اور ان کا ایک بہت بڑا طبقہ پاکستان میں پنجے گاڑ کر بیٹھ گیا۔ اس وقت پشاور اور اسلام آباد کے بعض علاقوں میں پھرتے ہوئے معلوم ہوتا تھا کہ شاید آپ افغانستان میں آ گئے ہیں۔ موجودہ صدر حامد کرزئی بھی پاکستان میں آ کر پناہ گزین رہے ہیں اور اب وہی پاکستان کی مخالفت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ بہرحال مالدار Professionals کے ملک چھوڑ جانے کی وجہ سے بے شمار مشکلات نے جنم لیا۔ ثالثاً افغانستان میں فوج رہی، اور نہ ہی بیوروکریسی رہی، وہاں صرف اور صرف مذہبی طبقہ رہ گیا۔ اس خلاء سے طالبان نے بھرپور فائدہ اُٹھایا اور اپنی حکومت قائم کرلی اور اس حکومت کے نتیجے میں افغان عوام نے سکھ کا سانس لیا اور خانہ جنگی اور بدامنی کا خاتمہ ہوا۔ اگر افغانستان میں کیمونسٹ عناصر موجود رہتے یا آپس کی خانہ جنگی نہ ہوتی اور مجاہدین نے قومی حکومت قائم کر کے اپنی فوج تشکیل دی ہوتی تو طالبان کے افغانستان میں اثر ونفوذ کا کوئی امکان نہ تھا۔ بہرحال یہ وہ خاص حالات تھے جن کے نتیجے میں افغانستان میں ''طالبان'' وجود میں آئے۔ ان شاء اللہ آئندہ کالم میں ہم جائزہ لیں گے کہ کیا پاکستان میں ''طالبانائزیشن'' کا کوئی امکان موجود ہے؟ (جاری ہے) (شائع شدہ جنگ)

چشم کشا

مسلمانوں کی دولت غیروں کے ہاتھوں میں!

صباحت موسیٰ

پٹرول اور گیس کے ذخائر جزیرۃ العرب کو نمایاں مقام عطا کرتے ہیں۔ جزیرۃ العرب کی آبادی دنیا کی مجموعی آبادی کا دو فیصد ہے لیکن یہاں پائے جانے والے پٹرول کے ذخائر کا تناسب محتاط اندازے کے مطابق دنیا میں 60 سے 75 فیصد تک ہے۔ امریکی اداروں کی رپورٹ کے مطابق یہ تناسب 66 فیصد ہے۔ جزیرۃ العرب کی مقدس سرزمین کی تہوں میں بہنے والا یہی وہ سیال سونا ہے جو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال ہوتو ان کی کایا پلٹ سکتی ہے۔ کیونکہ ہر قسم کی مادی، صنعتی اور تمدنی ترقی پٹرول کی مرہونِ منت ہے۔ اس کے بغیر نہ تو زراعت ممکن ہے، نہ تجارت اور نہ ہی آمد و رفت۔ دنیا کا کوئی مشینی پرزہ ایسا نہیں جو پٹرول کے بغیر حرکت کرتا ہو۔

یورپی ممالک میں پٹرول موجود نہیں ہے۔ محتاط اندازے کے مطابق سعودی عرب میں تیل کے ذخائر 125 سال تک، کویت کے 144 سال تک اور عراق کے کنویں 98 سال تک کارآمد ہیں اور تیل پیدا کرنے کی صلاحیت بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ اس وقت امریکہ کے کنویں 18 بیرل یومیہ پیداوار دیتے ہیں جبکہ سعودی عرب کے کنویں بسا اوقات 18000 بیرل یومیہ پیداوار دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خلیج کی وادی، غیر ذی زرع، ہونے کے باوجود دنیا کا اہم ترین خطہ بن چکی ہے۔ اور عالمی استعماری طاقتیں ہمہ تن اس سیال مادے پر قبضہ جمانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔

خلیج عرب میں پٹرول کے ذخائر کے ممکنہ نشاندھی اور اس کا اخراج شاہ عبدالعزیز آل سعود کی کوششوں سے ہوا ہے۔ الاحساء کے علاقے میں پٹرول نکالے جانے کے سلسلے میں اگر کسی کی تعریف کی جاسکتی ہے تو وہ شاہ عبدالعزیز آل سعود ہیں۔ اس لیے کہ ان کی شجاعت کا کمال ہے کہ انہوں نے 1933ء میں کیلیفورنیا پٹرولیم کمپنی کے ساتھ تیل نکالنے کا معاہدہ کیا۔ آرامکو آئل کمپنی کے ڈائریکٹر کا بیان ہے کہ ''ہم سے تیل نکالنے کا معاہدہ کر کے ابن سعود نے بڑی شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ کیونکہ یہ وہ علاقہ ہے جہاں کسی غیر مسلم نے قدم نہیں رکھا تھا۔ صحراء کے بدوؤں کے لیے کسی کافر کا اس علاقہ میں قدم رکھنا نہایت خطرناک تصور کیا جاتا تھا۔ لیکن یہ شجاعت صرف شاہ عبدالعزیز کی ہے کہ انہوں نے نہ صرف ہم سے تیل کا معاہدہ کیا بلکہ ہمیں وہ تحفظ دیا جس کا ہم اپنے ملک میں بھی تصور نہیں کر سکتے تھے۔ ہمارے بارے میں عربوں کے جو شکوک تھے وہ بھی حقیقت پر مبنی تھے۔ اس لیے ان دنوں عالم اسلام اور عالم عرب کے زیادہ تر ممالک مغربی کالونیاں تھیں۔''

تیل نکالنے کی جانکاہ کوششوں کے بارے میں آرمکو نے جو تاریخ لکھی ہے وہ کچھ یوں ہے۔

''تیل کی تلاش 1933ء میں شروع، وہ امریکی ماہرین جو اس مہم میں شرکت کے لئے آئے تھے، انہوں نے ڈاڑھیاں بڑھا رکھی تھیں اور لمبی لمبی قمیصیں پہنے ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں شاہ عبدالعزیز نے اپنی خاص پولیس کے ذریعے ان کی حفاظت کی ذمہ داری لے لی تھی تاکہ بدو ان کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔

سب سے پہلے جس جگہ تیل تلاش کرنے کا کام شروع کیا گیا، وہاں سے کچھ نہ ملا۔ اس کام کے لیے تمام آلات امریکہ سے منگوائے گئے۔ پہلے تین جگہوں کی نشاندھی کی گئی لیکن تیل نہ نکلا۔ پہلا کنواں جن حالات میں کھودا گیا اس کی تفصیل بہت مشکل ہے۔ بہرحال پہلے کنویں میں ناکامی کے بعد دوسرا کنواں کھودا گیا لیکن اس سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔

تیسرے کنویں کی کھدائی میں ان کو یقین تھا کہ کچھ ملے گا۔ اس وقت تک اس پر ہزاروں ڈالر خرچ ہو چکے تھے۔ ورکروں کے رہنے کے لیے شروع میں خیمے ہوتے تھے، گرمی بھی ایسی تھی کہ جس سے چہرے جھلس جاتے تھے۔ بعد میں ریاض کے کچے گھروں کی طرح چھوٹے چھوٹے گھر بنائے گئے۔ یہ گھر بطور آثارِ قدیمہ آج بھی موجود ہیں۔ تیسرا کنواں کھودنے کے بعد اتنا پتا چلا کہ تیل تو ہے لیکن اتنا ہے کہ جس کے لیے اتنی تکلیف برداشت نہیں کی جاسکتی۔ تیل نکالنے والی کمپنی کے اعلیٰ حکام کو شک ہونے لگا لیکن ان میں صبر کا مادہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے چوتھا کنواں کھودنے کی ٹھانی۔

چوتھا کنواں جس جگہ کھودا گیا وہ پہلی جگہوں سے مختلف تھی لیکن، تیل (جس کے لیے اتنی امیدیں وابستہ تھیں) نہ نکلا۔ 1937ء تک کمپنی کو جو خسارہ ہو چکا تھا وہ 30 لاکھ ڈالر کا تھا۔ چنانچہ امریکا میں موجود کمپنی کے حکام کی میٹنگ ہوئی۔ انہوں نے نئے ماہرین کو بھیجا اور کمپنی میں کام کرنے والوں

سے نیا کنٹریکٹ کیا اور زیادہ مراعات دیں تاکہ وہ کام جاری رکھ سکیں۔ ان حالات میں پانچواں کنواں کھودنے کا کام شروع ہوا۔ ماہرین کے پاس جو تجربہ اور کمال تھا وہ سب اس میں جھونک دیا گیا مگر اس کا بھی وہی نتیجہ نکلا جو پچھلے چار کنوؤں کی کھدائی میں ہوا تھا۔ اب انہوں نے فیصلہ کیا کہ آخری کوشش کی جائے تاکہ اگر تیل نہ بھی ملے تو حسرت بھی باقی نہ رہے۔ اس دوران انہوں نے ایک وقت میں دو مزید کنویں کھودنے کا فیصلہ کیا، یہ چھٹا اور ساتواں کنواں تھے۔ ماہرین کے علاوہ کمپنی کے اعلیٰ حکام بھی لمحہ لمحہ معلومات حاصل کر رہے تھے۔ چھٹے کنویں سے بھی کچھ نہ ملا۔ ان کی مایوسی کے بادل گہرے ہونے لگے کہ اچانک اطلاع ملی کہ کمپنی کے ڈائریکٹر جنرل خود آرہے ہیں اور یہ بھی کہ کمپنی کے اکاؤنٹ میں ڈالرز امریکا سے منتقل کیے جاچکے ہیں۔ نیا سامان بھی روانہ ہوگیا۔

لیکن ساتواں کنواں ابھی پوری طرح کھودا نہیں گیا تھا کہ ایک معجزہ ہوا، جس سے امریکیوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ زمین سے خزانہ ابل پڑا اور اتنا تیل نکلا جس پر خود امریکی حیران و پریشان تھے۔ یہ مارچ 1938ء کی بات ہے۔ یہ واقعہ نہ صرف کیلیفورنیا کمپنی کے لیے حیران کن تھا بلکہ پورے جزیرہ عرب کے لئے بھی ایک معجزہ تھا۔ اور ایک سال کی مدت میں یعنی 1939ء تک اس کنویں سے 39 لاکھ 34 ہزار بیرل تیل نکالا گیا۔ یہ مقدار 1940ء میں 50 لاکھ 75 ہزار بیرل اور 1954ء میں 2 کروڑ 11 ہزار بیرل تک جاپہنچی۔

سرزمین عرب کے بے آب و گیاہ صحرا میں جب تیل نکل آیا تو وہ عالمی استعماری طاقتوں کی توجہ اور دلچسپی کا مرکز بن گئی۔ یہاں موجود سیاہ چمکدار آب حیات پر تسلط جمانے کے لئے عالمی طاقتوں کے درمیان رسہ کشی ہونے لگی۔ سب سے پہلے اس مقدس خطے کو چھوٹی چھوٹی متعدد ریاستوں میں تقسیم کر دیا گیا، تاکہ وہ عسکری لحاظ سے ہمیشہ ان کی محتاج رہیں۔ جو ریاست جتنی دولتمند تھی ایسے اتنا ہی چھوٹا رکھا گیا۔ پھر ان ریاستوں کے خاندان حکمرانوں کا تعین بھی انہوں نے اپنی مرضی سے کیا، تاکہ یہاں کے تیل کے چشموں، کنوؤں اور تیل صاف کرنے کی ریفائنریوں پر ان کا مکمل تسلط رہے۔

پھر ان کی توسیع پسندانہ سوچ نے تیل کی کمپنیوں اور ان کے اردگرد رہائشی کالونیاں آباد کردیں۔ سول افراد کے علاوہ مختلف حیلے بہانوں سے اپنے فوجی دستے بھی یہاں پہنچانے شروع کر دیئے۔ آج تیل پیدا اور صاف کرنے والی دیوہیکل امریکی کمپنیوں کے سارے شیئرز ان کے تسلط میں ہیں۔

1937ء میں امریکی وزارت خارجہ نے خطۂ عرب کے پٹرول سے استفادے کے لئے 3 نکات پیش کئے۔ جس میں تیل کی پیداوار اس کی یومیہ اخراج کی مقدار اور اس کی قیمت پر مکمل کنٹرول ان کے بڑے مفادات میں سے ہیں۔

تیل کا نرخ انتہائی کم رکھنے کے علاوہ امریکا مسلمان ممالک کو مہنگے داموں عسکری اسلحہ جات فروخت کرتا ہے جس کی قیمت کی ادائیگی بعض اوقات نقد اور بعض اوقات سودی قرضوں کی شرائط کے ساتھ کی جاتی ہے

امریکیوں کی اس بڑھتی ہوئی قوت اور مستقبل کے خطرناک منصوبے کو شاہ فیصل نے محسوس کرلیا تھا۔ چنانچہ انہیں منظر سے ہٹا دیا گیا۔

تیل کی طلب و رسد

پٹرول کی قیمتیں ہر دور میں کم سے کم رکھی گئیں۔ 1975ء میں یہ قیمت 45 ڈالر فی بیرل تھی اور 1998ء میں 15 ڈالر فی بیرل تک گر گئی۔ امریکا نے نہ صرف اپنے لئے اس کی قیمتیں انتہائی گھٹا دیں بلکہ تیل پیدا کرنے والے عرب ممالک کی ایک تنظیم (اوپیک) بنا کر ہر ملک کا ایک کوٹہ مقرر کر دیا۔ چنانچہ اب ہر ملک پابند ہے کہ وہ مخصوص مقدار سے زیادہ تیل پیدا نہ کرے، لیکن جب کچھ عرصے کے بعد افراط زر کے سبب قیمت بڑھنے لگتی ہے تو وہ کسی ایک ملک سے زیادہ پیداوار نکلوا کر رسد کی مقدار زیادہ کروا دیتے ہیں۔ طلب کے مقابلے میں رسد زیادہ ہونے سے قیمت پھر گھٹ جاتی ہے۔ اس آنکھ مچولی کے ذریعے انہوں نے آج تک اپنی من مانی قیمتیں طے کر رکھی ہیں۔

تیل کی غاصبانہ چوری

صرف سعودی عرب میں روزانہ دس ملین بیرل تیل نکلتا ہے۔ اگر حساب لگایا جائے تو مسلمان کئی کروڑ ڈالر کا نقصان اٹھا رہے ہیں۔ اسی گورکھ دھندے کے ذریعے 1980ء کے بعد کی دو دہائیوں میں ہر چیز کی قیمت کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ لیکن مسلم عرب ممالک کے پٹرول کی قیمت بڑھنے کے بجائے معکوس سمت سفر کر رہی ہے، حتیٰ کہ تین گنا کم ہو کر 9 ڈالر فی بیرل تک پہنچ گئی ہے۔ اگر پٹرول کی قیمت دیگر چیزوں کی طرح چار گنا بڑھائی جائے جبکہ اس کی اصل قیمت وہی 36 ڈالر فی بیرل رکھی جائے جو شروع میں تھی تو فی بیرل 144 ڈالر بنیں گے۔

تیل برآمد کرنے والے ممالک کی تنظیم اوپیک، میں شامل مسلم ممالک 25 ملین بیرل یومیہ اخراج کرتے ہیں اور اوپیک سے خارج ممالک 5 ملین بیرل یومیہ تیل نکالتے ہیں۔ اس لحاظ سے مسلم ممالک کی کل پیداوار 30 ملین بیرل یومیہ بنتی ہے۔ اس مقدار کو یومیہ خسارے سے ضرب دی جائے جو 144 ڈالر ہے تو اس کی مقدار کچھ 4320 ملین ڈالر روزانہ بنتی ہے۔ اور یہ غاصبانہ چوری کا وہ حجم ہے کہ اتنی رقم سوڈان کے 30 ملین عوام کے چار سالہ اخراجات کے لئے کافی ہے۔ اور شمالی اور جنوبی یمن کے دو سال کا بجٹ اس سے پورا ہوسکتا ہے۔

اگر چوری کی یومیہ مقدار (4320 ڈالر) کو 365 ایام سے ضرب دی جائے تو یہ رقم 1576800 بلین ڈالرز بنتی ہے۔ اور اگر 25 سالوں کا حساب لگایا جائے تو کم از کم 40 ٹریلین ڈالرز کے ہوشربا اعداد سامنے آتے ہیں۔ اس رقم کو اگر روئے زمین پر مسلمانوں کے 1200 ملین عدد پر تقسیم کیا جائے تو ہر مسلمان کے چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، امریکہ کے ذمہ 30 ہزار ڈالرز نکلتے ہیں۔ بالفاظ دیگر آج بھوک اور غربت و افلاس میں ڈوبے مسلم امہ کے ہر فرد کا امریکہ 30 ہزار ڈالر کا مقروض ہے۔ اس سے زیادہ دلچسپ امر یہ ہے کہ امریکا نے مسلم دنیا کو اپنا مقروض بنایا ہوا ہے۔

مسلمانوں کی دولت کے اغیار کے ہاتھوں میں ہونے کے سبب آج سارے عالم کے مسلمان وسیع پیمانے پر اقتصادی و معاشی فوائد سے محروم ہیں اور سعودی عرب بھی آہستہ آہستہ معاشی بدحالی کی جانب رواں دواں ہے۔ تیل کا نرخ انتہائی کم رکھنے کے علاوہ امریکا مسلمان ممالک کو مہنگے داموں عسکری اسلحہ جات فروخت کرتا ہے جس کی قیمت کی ادائیگی بعض اوقات نقد اور بعض اوقات سودی قرضوں کی شرائط کے ساتھ کی جاتی ہے۔

ایک مستند تحقیقی شماریاتی رپورٹ کے مطابق اس وقت سعودی عرب کے داخلی قرضے 150 ارب ڈالر سے زائد ہیں اور اگر ان میں بیرونی قرضے بھی شامل کردیئے جائیں تو کل قرضے کا حجم 1200 ارب ڈالر تک بڑھ جاتا ہے۔ اگر اس قرض پر سود کی شرح صرف 10 فیصد لگائی جائے تو اسے صرف سود کی ادائیگی کے لئے سالانہ 120 ارب ڈالر درکار ہیں۔ کویت کا حال بھی ایسا ہی ہے کہ اس پر 120 ارب ڈالر کا قرضہ ہے۔ یہ تو دو امیر ترین ملکوں کا حال ہے۔ اسی طرح سے باقی اسلامی ممالک قرضوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں اور امریکا بے حساب ان کی دولت لوٹ رہا ہے۔ امت مسلمہ اسی طرح خواب خرگوش کے مزے لیتی اور حقیقت سے نظریں چراتی رہی تو پھر کبھی دشمن کے شکنجے سے نہ نکل سکے گی۔

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

خلافت کے خاتمے میں تنظیمات کا کردار

سید قاسم محمود

بیسویں صدی کے چوتھے عشرے تک ترکی میں سیکولرازم اور مغربیت کا شجر سرسبز و شاداب اور توانا و مستحکم ہو چکا تھا، جسے ماہرین عمرانیات کے تجزیوں کے مطابق مذہب پسندی کا کوئی جھونکا نقصان نہ پہنچا سکا تھا، لیکن ایک ہی عشرے کے بعد وہی ماہرین عمرانیات اور دانشور اسلام کے شجرِ طیبہ کو برگ و بار لاتا دیکھنے لگے، اور ترکوں کی اپنی قدیم میراث و تہذیب کی طرف واپسی کو وہ ملک کے امن و امان اور یورپی ممالک کے مفادات کے لیے چیلنج تصور کرنے لگے اور اپنے تحقیقاتی اداروں، اکادمیوں اور ماہرین و سکالرز کو اسلامی احیاء کے اسباب و محرکات کے پتا لگانے کے لیے وقف کر دیا، تاکہ اُن کا بروقت تدارک کیا جاسکے اور اسلامی نشاۃ ثانیہ کے بڑھتے ہوئے رُجحان کو روکا جاسکے۔

مصطفی کمال پاشا، ضیا گوک الپ اور نامق کمال اور دوسرے ترک دانشوروں کے افکار و نظریات کا ترکی قوم نے گہرا اثر قبول کیا جو ترک قومیت اور سیکولر ثقافت کے مدعی اور علم بردار تھے، اور جنھوں نے پوری قوم کو اُس کے تابناک ماضی اور عظیم ورثے سے کاٹ کر یورپی فکر و تاریخ میں ضم ہو جانے کی دعوت دی یا کم از کم سیکولر قومیت اور ملی وجود کا ملغوبہ تیار کر کے اسلام کے آفاقی تصور سے اُسے منحرف رکھا اور اُن افراد اور اداروں کی آواز صدا بہ صحرا ثابت ہوئی جو اسلام کے احیاء و تجدید اور ملت کی نشاۃ ثانیہ کی آرزو رکھتے تھے، لیکن ترکی میں سیکولرازم اور مغرب کے تہذیب و اثرات و افکار کی توسیع و تنفیذ کا تجزیہ کرنے کے لیے روایتی عثمانی بیوروکریسی کی تاریخ اور اٹھارویں صدی کی تنظیمات کا ذکر کرنا ضروری ہے، کیونکہ اس کے بغیر ترکی میں روایت پسندی اور جدیدیت کی کشمکش کو سمجھنا آسان نہ ہوگا۔

تنظیمات کا کردار

سلطنت عثمانیہ کی بنیاد دین و دنیا اور مذہب و سیاست کی یکجائی پر رکھی گئی تھی اور مذہبی و دنیوی تمام اختیارات خلیفہ کی ذات میں مرتکز ہوتے تھے۔ اسلام کا یہ تصور بھی جاگزیں تھا کہ شریعت کے نفاذ کے لیے ریاست ناگزیر ہے، مگر مذہب و شریعت پر ریاست کی عملی بالادستی اُس وقت بتدریج نمایاں ہوتی گئی جب قوانین میں اصلاح و تبدیلی کے لیے تنظیمات کی تحریک چلائی گئی۔ تنظیمات دراصل اُن اصلاحات کو کہتے ہیں جو عثمانی حکومت اور اداروں کے سلسلے میں سلطان عبدالحمید (1823-1861ء) کے عہد میں جاری ہوئیں اور جن کی ابتدا اُس فرمان سے ہوئی جسے عام طور پر ''گلخانہ کا خطِ شریف'' کہا جاتا ہے۔ تنظیماتِ خیریہ کی ترکیب پہلے پہل سلطان محمود ثانی (1784-1839ء) کے عہدِ حکومت کے آخری برسوں میں ملتی ہے۔ دورِ تنظیمات کا خاتمہ 1880ء میں ہُوا جب سلطان عبدالحمید ثانی (1842-1918ء) کی حکومت قائم تھی۔

''فرمانِ خطِ شریف'' میں اِس بات کا اعلان تھا کہ ساری رعایا کی آبرو، اور جان و مال محفوظ رہیں گے۔ التزام یعنی ٹیکسوں کو اجارے پر دینے کا دستور موقوف ہوجائے گا۔ فوج میں بھرتی کا کام زیادہ باقاعدگی سے ہُوا کرے گا۔ جُملہ ملزموں کے مقدمات کھلی عدالتوں میں پیش ہوں گے۔ اہل اسلام اور دوسرے تمام مذاہب کے پیرو قانون کی نظر میں برابر سمجھے جائیں گے۔ اس فرمان میں اس بات کی بھی وضاحت کی گئی تھی کہ جدید قوانین کا مقصد ''اصولِ عتیقہ'' میں مکمل تبدیلی لانا ہے۔ اِس فرمان کا مسودہ تیار کرتے وقت مصطفی رشید پاشا کا مقصد ملکی حکومت پر دوبارہ اعتماد قائم کرنا اور یورپی ممالک کو کسی نہ کسی طرح مطمئن کرنا تھا، کیونکہ داخلی امور میں اُن کی مداخلت تشویشناک صورت اختیار کرتی جارہی تھی۔

> سلطان عبدالحمید ثانی کہتے تھے: یہ کہنا درست نہیں ہے کہ میں یورپ کی ہر نئی چیز کا مخالف ہوں، البتہ جلد بازی شیطان کی روش ہے اور اس کے مقابلے میں اطمینان اور اعتدال میرا مسلک ہے۔ ہمیں اپنی نگاہوں کے سامنے اس عظیم نعمت (نظامِ شریعت) کو ضرور رکھنا چاہیے جس سے اللہ نے ہمیں سرفراز کیا ہے

فرمان خطِ ہمایوں (فروری 1856ء) کو غیر مسلم رعایا کے حقوق کے تحفظ کے متعلق 1839ء کے وعدوں کی مکمل توثیق قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس فرمان کی خاص بات یہ تھی کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے باہمی مقدمات کے تصفیوں کے لیے مخلوط عدالتیں قائم کرنے اور اُن سے متعلق جُملہ قوانین کو جلد از جلد منضبط کرنے کا اعلان کیا گیا تھا اور غیر ملکی طاقتوں کو یہ حق بھی دیا گیا تھا کہ وہ سلطنت عثمانیہ کی حدود میں اراضی کی ملکیت حاصل کرسکتی ہیں۔ تاہم یورپی طاقتوں کی دخل اندازی کا سلسلہ 1856ء کے بعد بھی ختم نہ ہُوا اور وہ ترکی کے خلاف سازشوں میں مصروف رہیں۔

23 دسمبر 1876ء کو سلطنت عثمانیہ کے نئے دستور کا اعلان ہُوا، لیکن اِس آئینی اصلاح سے بھی کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی اور آئین ساز شخص مدحت پاشا کو دو ہی مہینے بعد جلاوطن کر دیا گیا اور اس کے فوراً بعد سلطان عبدالحمید نے اِس آئین کو نظرانداز کر دیا۔ تاہم اُس دور میں اصلاحات کا سلسلہ مکمل طور سے معطل نہ کیا گیا۔ 1879ء کے قوانین سے جو خاص طور پر دیوانی محکمے کے متعلق تھے، تنظیمات کی قانون سازی ایک لحاظ سے تکمیل پا گئی۔

اِن قوانین و اصلاحات میں غیر ملکی عناصر و افکار کی آمیزش بلکہ ان کی بالادستی نمایاں تھی۔ 1839ء کے بعد صوبوں کے نظم و نسق کا جو نیا طریقہ رشید پاشا نے متعارف کرایا تھا، وہ فرانسیسی طرز کا تھا۔ اسی طرح 1864ء اور 1871ء کے قانون ولایات پر بھی یہی اثر برقرار رہا۔ 1850ء کا ضابطۂ تجارت زیادہ تر فرانسیسی قانون پر مبنی تھا۔ یہی حال 1858ء کے ضابطۂ تعزیرات اور 1863ء کے ضابطۂ قانونِ تجارت کا تھا۔ البتہ 1869ء کے ضابطۂ دیوانی میں کوشش کی گئی تھی کہ قانون ملکیت اور قانون ضمانات وغیرہ کو حنفی مذہب کے مطابق جمع کر لیا جائے۔

غیر مسلم طبقات اور جماعتوں کے لیے جو بنیادی قواعد 1860ء میں شائع ہوئے، اُن کا رُجحان اس طرح تھا کہ اداری امور میں کلیسائی عنصر کے اقتدار کو کم کر کے غیر کلیسائی عنصر کو زیادہ اختیار دیا جائے۔ اِن جماعتوں نے عام طور پر قانون و عدالتی معاملات میں اپنی خودمختاری قائم رکھی۔

1854ء میں تعلیمی نظام کی اصلاح کی غرض سے ایک ''مجلسِ معارف'' مقرر ہوئی جس کے پہلے صدر فواد پاشا تھے اور بعد میں جودت پاشا۔ چنانچہ مذہبی تعلیم کی روایات سے تصادم ناگزیر تھا۔ ایک یونیورسٹی اُسی سال قائم ہوئی، مگر اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہُوا اور ثانوی اور ابتدائی مدارس کے قیام میں بڑی مشکلات پیش آئیں۔ 1868ء میں غلطہ سرائے کے ثانوی مدرسے کا افتتاح ہوا، جس میں تعلیم فرانسیسی زبان میں دی جاتی تھی۔ اس کا مطلب یہ سمجھا گیا کہ غیر ملکی ثقافت و تہذیب کو ترکی میں داخل کیا جارہا ہے۔ چنانچہ اس اقدام کی بڑی سختی سے مخالفت ہوئی۔

تحریک تنظیمات کی مخالفت علماء کی جانب سے اس لیے ہوئی کہ وہ شرعی امور میں اپنے اختیارات اور حقوق سے محروم کر دیئے گئے تھے اور اس تحریک کے ذریعے اسلامی قوانین کی بہت سی دفعات پر ضرب لگائی گئی تھی۔ غیر مسلم طبقات نے ان اقدامات کے خلاف بے چینی کا اظہار اس لیے کیا کہ حقوق مساوات کے حصول میں انہیں نفع ہی نفع نظر نہیں آتا تھا۔ ان مراعات کی وجہ سے ان کی باہمی چپقلش اور اختلافات مزید وسیع ہو گئے۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ تنظیمات کی راہ میں حائل مشکلات زیادہ تر غیر مسلم رعایا ہی کی الجھنوں کی وجہ سے پیدا ہوتی رہتی تھیں، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ یورپی ممالک بات بات پر ہمیشہ دخل اندازی پر اُتر آتے تھے، اور یہی وجہ تھی کہ خود ترکی میں ایک بڑا طبقہ ایسا پیدا ہو گیا تھا جو ان تنظیمات کو ترکی کے مفادات کے لیے خطرناک سمجھتا تھا۔

مجلس معارف کے صدر احمد جودت پاشا (1822ء-1895ء) آئینی اصلاحات اور علمی و ادبی ترقیات کے حق میں تھے اور ترکی کو جامد ماحول سے نکال کر ترقی یافتہ اقوام کے دوش بدوش کھڑا کرنا چاہتے تھے، مگر فرانسیسی قوانین وضوابط کی جگہ اسلامی شریعت کے نفاذ پر اُن کا اصرار تھا۔ وہ ایسے معاشرتی وسیاسی اداروں اور تنظیمات کے خلاف تھے جن میں اسلام کو کلیدی مقام حاصل نہ ہو۔ اُن کے خیال میں ترکی کے زوال وانحطاط کا واحد حل یہ تھا کہ صنعتی ٹیکنیکل میدانوں میں اور فوجی وعسکری شعبوں میں تو جدیدیت ہو، لیکن ترک معاشرے کی قومی تعمیر میں اسلام کو مرکزی کردار ہو۔ جودت پاشا نے وزیر عدل وقانون کی حیثیت سے اپنے پہلے دورِ وزارت ہی میں ایک طرف تو قضاۃ کی تعلیم وہدایت اور عدالتی کاروبار کی اصلاح کے لیے قانونی اور شرعی نصاب مقرر کیے، اور دوسری طرف اس بات کی بھی بنیاد ڈالی کہ ایک انجمن بنا کر اس کے زیرِ نگرانی حنفی فقہ کی بنیاد پر ایک مجلّہ یعنی مجموعۂ قانون تیار کیا جائے۔ اس قسم کے مجلّے یا ضابطے (یعنی ایسا ضابطہ جو اسلامی اصول و قواعد پر مبنی ہو) کی منظوری حاصل کرنے کے لیے جودت پاشا کو جواد پاشا اور شروانی زادہ رشدی پاشا کی تائید وحمایت حاصل تھی، لیکن علی پاشا اس تجویز کا مخالف تھا اور اس کی بجائے فرانسیسی ضابطۂ دیوانی اختیار کرنے کو ترجیح دیتا ہے۔

جودت پاشا کے طرزِ عمل اور تصانیف دونوں میں ترقی پسندی اور مذہب پسندی کا ایک خوشگوار امتزاج ملتا ہے۔ ایک طرف اُس نے بڑے استقلال کے ساتھ ترکی معاشرے میں زیادہ سے زیادہ روشن خیالی اور بیداری پیدا کرنے کی حمایت کی اور حکمران طبقے میں جہالت تعصب اور خود پرستی کے اظہار کی اور عوام میں رائج غلط معتقدات کی سخت مذمت کی ہے تو دوسری طرف اُس کے خیالات پر اسلامی اثرات غالب ہیں اور عمر کے آخری حصے میں تنظیمات کے متعلق اُس کے خیالات میں تبدیلی نظر آتی ہے، بلکہ سلطان عبدالحمید ثانی کے دور کے عام رجحانات سے ہم آہنگ ہو کر وہ رجعت پسندانہ رویہ اختیار کر لیتا ہے۔

سلطان عبدالحمید ثانی پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے جدید ترقیوں کی مخالفت کی اور ترکی کو پسماندہ، مفلوک الحال اور قدامت پسند بنائے رکھنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، حالانکہ یہ سراسر بہتان تراشی اور سلطان کے کردار کو داغ دار کرنے کی ناپاک یہودی سازش ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ مغرب کی تہذیب وثقافت کو مستعار لینے کے سخت خلاف تھے، کیونکہ اُن کے عقیدے کے مطابق مشرق کی اسلامی تہذیب مکمل اور ہر پہلو سے مغربی تہذیب سے برتر اور ممتاز تھی۔ ہاں مغرب کے پاس جدید علوم تھے، جنہیں جوں کا توں اختیار کرنے کے حق میں وہ نہیں تھے، بلکہ وہ اس معاملے میں تدریج کے قائل تھے۔ وہ کہتے تھے:

"یہ کہنا درست نہیں ہے کہ میں یورپ کی ہر نئی چیز کا مخالف ہوں، البتہ جلد بازی شیطان کی روش ہے اور اس کے مقابلے میں اطمینان اور اعتدال میرا مسلک ہے۔ ہمیں اپنی نگاہوں کے سامنے اس عظیم نعمت (نظام شریعت) کو ضرور رکھنا چاہیے جس سے اللہ نے ہمیں سرفراز کیا ہے۔ اسلام ترقی کا مخالف نہیں ہے، البتہ قابل قدر اور قیمتی چیزوں کو طبعی اور فطری انداز میں نافذ ہونا چاہیے۔ اُن کی آمد اندرون سے اور حسب ضرورت ہو۔ ان معاملات میں کامیابی حاصل نہیں ہوگی، اگر انہیں خارج سے تھوپنے کی کوشش کی جائے گی۔"

"اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ" کے مقالہ نگار جے ڈینائی نے اس الزام کی تردید کی ہے کہ سلطان عبدالحمید روشن خیال نہ تھا۔ اُس نے ثبوت میں اُن تعلیمی اداروں کو پیش کیا ہے جو سلطان کے دور میں قائم ہوئے۔ مولانا شبلی نعمانی (1857ء-1914ء) نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ سلطان کے دور میں تعلیمی ترقی کی رفتار کافی تیز تھی۔ چنانچہ اُس کی تخت نشینی کے وقت "مدارس رشدیہ" کی تعداد 96 تھی جو 1849ء میں بڑھ کر 405 ہوگئی۔ اُس کے دور میں دو ہزار سے زائد نئے مدارس قائم ہوئے۔ مصارف تعلیم تین لاکھ پونڈ سالانہ سے بڑھ کر آٹھ لاکھ پونڈ سالانہ ہوگئے۔ محمد حرب کے مطابق سلطان نے تمام شعبوں میں مغربی علوم وفنون سے استفادے کے لیے کالج، سکول، تربیتی مراکز اور تحقیقی ادارے قائم کیے۔ سائنس کالج، آرٹس کالج، لاء کالج، مکتب حقوق، پولیٹیکل سائنس کالج، مکتب ملکیہ، فائن آرٹس اکیڈمی، مکتب صنعت خود کفالت، کامرس، زراعت، طب، حیوانیات، طبعیات، کیمیا، بحری تجارت وغیرہ کے کالج، اساتذہ کے لیے تربیتی کالج، یتیموں، اندھوں، گونگوں اور بہروں کے لیے اسکول، ثانوی مدارس، غرضیکہ ہر علم وفن اور ہر تکنیک کے اسکول اور کالج سلطان نے قائم کیے۔ دمشق، بغداد، بیروت، سلانیک اور قونیہ وغیرہ میں ان اداروں کا جال بچھ گیا، جن میں ترکی اور فرانسیسی زبانوں میں تعلیم دی جاتی تھی۔ اسی طرح مغربی علوم وتجربات سے استفادے کے لیے سلطان نے فرانس اور جرمنی جیسے ملکوں میں تعلیمی اور ثقافتی وفود روانہ کیے۔

سلطان عبدالحمید ثانی کے اس روشن خیالی اور اُن کی تعلیمی وسائنسی خدمات کے باوجود نوجوان ترکوں نے انہیں عتاب کا نشانہ بنایا اور لادین اور سیکولر عناصر کا زور بڑھتا گیا اور اسلام پسند طبقات سیاسی طور پر کمزور ہوتے چلے گئے، یہاں تک کہ مصطفیٰ کمال پاشا اور اُس کے ساتھیوں کے ذریعے خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ ہو گیا۔

✿✿ضرورت رشتہ✿✿

☆ 24 سالہ دوشیزہ، ایم ایس سی باٹنی (آنرز) ایم۔فل (جاری) ذات شیخ کے لیے دیندار پڑھے لکھے گھرانے سے رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0322-4791490 042-7222736

☆☆☆☆☆

☆ بیرون ملک مقیم مغل فیملی کی 26 اور 24 سالہ گریجوایٹ بیٹیوں کے لئے موزوں رشتے مطلوب ہیں۔

رابطہ: 042-8566914، 0300-4684766

☆☆☆☆☆

☆ کراچی میں مقیم متوسط کشمیری فیملی کو 20 سالہ بیٹی، رفیقہ تنظیم، تعلیم B.com، ایک سالہ تفہیم دین کورس جاری کے لئے دینی مزاج کے حامل گھرانے سے رشتہ مطلوب ہے۔ کشمیری فیملی اور رفیق تنظیم کو ترجیح دی جائے گی۔

☆ کراچی میں مقیم کشمیری فیملی کو 24 سالہ بیٹی، تعلیم درسِ نظامی اور ایک سالہ مفتی کا کورس مکمل، F.A کے لیے دینی مزاج کے حامل گھرانے سے مناسب رشتہ مطلوب ہے۔ کشمیری فیملی اور رفیق تنظیم کو ترجیح دی جائے گی۔

برائے رابطہ: 0300-2928988

دعائے مغفرت کی اپیل

☆ ہارون آباد کے رفیق تنظیم حافظ لیاقت علی کے بھائی وفات پا گئے۔

قارئین اور احباب سے مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

بش، بلیئر اینڈ کمپنی کا ہدف دہشت گردی نہیں، اسلام ہے

نوجوانوں کی ذمہ داری

اخذ و ترجمہ: نور اسلم خان

اسلام کے مسخ شدہ تصور کا تدارک

مصر میں منعقدہ ایک اجتماع سے نو مسلم برطانوی صحافی یوونی رڈلی کے فکر انگیز خطاب سے چند اقتباسات

میں اسلام کے بارے میں مستند علم تو نہیں رکھتی، تاہم مجھے اُمت مسلمہ کے نوجوانوں سے تبادلۂ خیال کر کے اسلام کے بارے میں بہت کچھ آگاہی ہوئی ہے۔

نائن الیون کا سبب امریکہ کی وہی ذہنیت ہے جس نے امریکہ سے ایک عشرہ پہلے بوسنیا ہرزگوینیا میں مسلمانوں کی نسل کشی کرائی تھی۔ تمام دنیا اس طویل نسل کشی کے دوران میں محض تماشائی بنی رہی۔ نوجوانانِ اسلام اس بہیمانہ نسل کشی کے ردعمل میں اپنے بھائیوں کی مدد کرنے کے لئے قومی، علاقائی اور نسلی تعصب کو بالائے طاق رکھ کر بوسنیا کے جہاد میں شریک ہوئے، جو مسلمان اس جہاد میں بالفعل شریک نہ ہو سکے، انہوں نے مالی اور سماجی حیثیت سے ان کی مدد کی۔

جب بوسنیا کے مسلمان سربوں پر بھاری پڑ رہے تھے تو اس وقت مغربی ممالک نے امن فوج کے نام پر وہاں نیٹو افواج تعینات کر دیں۔ "My Life" میں سابق صدر بل کلنٹن نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ بوسنیا میں عین مغرب کے قلب میں اسلامی ریاست کے تشکیل پا جانے کا خطرہ تھا۔

چیچنیا، کشمیر، فلسطین، افغانستان اور عراق کہیں بھی اسلامی ریاست کا وجود ہی وہ اصل خطرہ ہے جس کا امریکہ اور مغربی ممالک توڑ کرنا چاہتے ہیں۔ مسلم ممالک میں ہماری بہنوں اور بھائیوں کا خون اور اُن کے جسم کے لوتھڑے ایسے ہی بکھرے دکھائی دیتے ہیں جیسے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے ملبے سے نکالے گئے تھے، ایک فرق کے ساتھ، ہماری لاشیں بہت ارزاں اور بے شمار ہیں۔ مسلم مقبوضات کے علاوہ نامعلوم مقامات پر گوانتاناموبے، باگرام، ابوغریب اور ڈیگو گارشیا کی طرح عقوبت خانے ہیں، جہاں ہزاروں بے گناہ بدترین اور نہ ختم ہونے والے عذاب میں مبتلا رکھے جاتے ہیں۔ امریکہ کے ایک اشارے پر شام، اردن، مراکش، تیونس، الجزائر اور آپ کے اپنے ملک مصر میں بے گناہ مسلمانوں کو بدترین اذیتیں دی جاتی ہیں۔

اس صورتحال میں ہمارے نوجوانوں کی کیا ذمہ داری بنتی ہے۔ یہی میری تقریر کا موضوع ہے۔ ہمارے نوجوان اپنے ماضی سے آگاہ ہیں۔ خالدؓ بن ولید، طارق بن زیاد اور سلطان صلاح الدین ایوبی کی حوصلہ مندی اور شجاعت کے واقعات ان کی نگاہ میں ہیں۔ خود رسول پاک ﷺ دلیری اور شجاعت کے پیکر تھے۔ اسلام میں داخل ہونے کے بعد میں آپؐ کی عزت اور ناموس پر قربان ہونا اپنے لئے باعث فخر سمجھتی ہوں۔ ڈنمارک میں شائع ہونے والے توہین آمیز خاکوں کے ردعمل میں مسلم اُمہ نے جس قابل فخر ردعمل کا اظہار کیا ہے وہ مغرب کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ آپؐ کی عزت اور ناموس کے رکھوالے کل دنیا میں پائے جاتے ہیں اور آپؐ اب بھی

> **نائن الیون کے بعد مغرب چاہتا ہے کہ اسلام کی ایسی صورت گری کر دی جائے جو مغربی ممالک کے لئے قابل قبول ہو، ایک ایسا بے روح اسلام جو نفاذ شریعت، خلافت اور جہاد سے آزاد ہو کر لادین بزدلانہ معاشرے کو فروغ دینے والا ہو**

غیر مسلموں کے لئے دلیری اور شجاعت کی علامت ہیں۔

میلکم ایکس اور سید قطب شہید، دورِ جدید کے دو دمکتے ستارے ہیں۔ ان دو رہنماؤں کی تحریکوں نے مجھے مسلمان ہونے کا مطلب بتایا۔ یہ دونوں رہنما ہمارے مضطرب نوجوانوں کے لئے نمونہ ہیں۔ آخر ہمارے نوجوان کہاں جائیں۔ ایک طرف انہیں ان کا عقیدہ کہتا ہے کہ اللہ رب العالمین کے علاوہ کسی سے خوفزدہ نہیں ہونا اور دوسری طرف انہیں کہا جاتا ہے کہ اسلام کو پیچھے اور سر کو نیچے رکھو!

نائن الیون کے بعد مغرب چاہتا ہے کہ اسلام کی ایسی صورت گری کر دی جائے جو مغربی ممالک کے لئے قابل قبول ہو، مسلم اقوام کی یہ پہچان بنا دی جائے کہ وہ دشمن کے سامنے سرنڈر ہو کر اُس پر فخر کرتی ہیں اور وہ حد درجے پُرامن واقع ہوئے ہیں۔ دُنیا کے امن و سکون میں ذرا بھی رخنہ نہیں ڈالنا چاہتے۔ ایک ایسا بے روح اسلام جو نفاذ شریعت، خلافت اور جہاد سے آزاد ہو کر لادین بزدلانہ معاشرے کو فروغ دینے والا ہو۔

ترکی، فرانس اور الجزائر میں میری بہنوں کے سروں سے چادریں اتاری جا رہی ہیں۔ دوسرے مغربی ممالک بھی مستقبل میں مسلم خواتین کو برہنہ سر کرنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ جیک سٹرا کو حجاب پر تبصرے کا حق کس نے دیا ہے۔ وہ کون ہوتا ہے جو مسلم خواتین کے لئے لباس کی تراش خراش کے احکامات جاری کرے۔ ہم مسلم خواتین کسی مرد کو یہ اجازت نہیں دے سکتیں کہ وہ ہمارے کپڑوں کی الماری میں جھانک کر ہمارے لئے لباس منتخب کرے۔ آج صبح قاہرہ کی اخبارات میں آپ کے وزیر ثقافت فاروق حسنی کا بیان شائع ہوا ہے جس میں اُس نے حجاب کو پسماندگی کی علامت قرار دیا ہے۔ میں حیران ہوں کہ ان نوجوانوں کی موجودگی میں اُسے یہ جرأت ہوئی، ارے کوئی تو ہوتا جو اُس کی زبان کو لگام دیتا! اُس نے دنیا کی ہر برقعہ پوش خاتون کا مذاق اڑایا ہے۔ فاروق حسنی خود اسلام پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔ یہ ہمارے نوجوانوں کو اپنی دورخی سے کیا پیغام دے سکتا ہے۔

برقع، حجاب اور نقاب تمہارے اس مغربی اخلاق باختہ تہذیب میں عزت اور شرف کی علامت ہیں، وہ مغربی معاشرہ جسے جنس پرستی اور نشے بازی گھن کی طرح کھا رہی ہے۔ ہم عزت کے راستے کو چھوڑ کر کمینگی کے راستے پر چلیں۔ مجھے اُن عرب نوجوانوں پر ترس آتا ہے جو مغرب سے زیادہ مغرب پرست بنتے ہیں۔ کیا آپ کو میں بتا نہ دوں کہ مغرب میں ایسے لوگوں کو کیا کہا جاتا ہے۔ نامرد! تمہارا وزیر ثقافت اعتدال پسندی کے نام پر بے غیرتی کو نہیں پھیلا سکتا۔ اُسے فوراً مستعفی ہو جانا چاہیے۔ کیا اعتدال پسندی کا یہ مطلب ہے کہ ہم اسلام میں بے شرمی اور بے حیائی کے کاموں کی پیوندکاری کریں۔

پچھلی مرتبہ جب میں قاہرہ آئی تھی تو شیخ ازہر علامہ طنطاوی نے مجھے محض اس لئے انتہا پسند کہا تھا کہ میں نے اُس سے مصافحہ نہیں کیا تھا۔ میں کسی فقیہ اور علامہ کی بجائے سیدھے طریقے سے اس شخصیت کی پیروی میں فخر سمجھتی ہوں جس کے نام کا میں نے کلمہ پڑھا ہے۔ کیا حجاب پہن کر عورت انتہا پسند ہو جاتی ہے۔ حیرت ہے آپ کی اعتدال پسندی پر!

اسلام کو سرنگوں کرنا، اقوامِ عالم کا گزشتہ چودہ سوسال سے ایک خواب ہے۔ خدا کے علاوہ کسی سے اُمید لگانا عبث ہے۔ مگر ہمارے ہاں ایسی نسل بھی پائی جاتی ہے جو جس ہاتھ

سے تھپڑ کھاتے ہیں، اُسی کو چومتے ہیں۔ آپ داڑھی اور لبادے میں اسلام کی نمائندہ شخصیات نہ ڈھونڈیں۔ اسلام تو فکر اور آگاہی کا ابلتا سرچشمہ ہے۔ ہر صاحب ایمان سے اسلام کے کچھ تقاضے ہیں۔ زبانوں کو تالے لگا کر ہم اسلام کی کیا خدمت کر رہے ہیں اور تو اور پسے ہوئے مسلمان فلسطین یا اپنے مقبوضہ علاقوں میں استشہادی کارروائی بھی کرتے ہیں تو اُسے بھی دہشت گردی کہا جا رہا ہے جیسے یہ بھی کوئی نائن الیون جیسی کارروائی ہو۔ ہمیں اپنے نوجوانوں کو یہ بتانا ہوگا کہ مسلم مقبوضات میں مزاحمت بالکل جائز مزاحمت ہے۔ نیویارک اور لندن کے دھماکے تو دہشت گردی کہلائیں اور پورے کے پورے ملک پر قابض ہو جانا دہشت گردی نہ کہلائے۔ جب آپ ان کی جائز مزاحمت کو بھی دہشت گردی کہیں گے تو یہ اُن بہنوں اور بھائیوں کے خون سے غداری ہے جن کے لئے روئے زمین میں رسواءزمین نے یہ انتخاب کیا ہے کہ وہ بس مرمٹیں۔

مسلم ریاستوں کے کٹھ پتلی حکمران اسلامی جماعتوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ عراق، چیچنیا اور فلسطین کے نوجوان طلبہ اور کارکن محض اعتدال پسند کہلانے کے لئے اپنی مزاحمت سے باز آ جائیں۔ ہمارے برطانیہ میں ایسے مسلمان نوجوان کثرت سے پائے جاتے ہیں جو اعتدال پسندی کی نذر ہو گئے ہیں۔ میں انہیں 'تالی بجانے' والے کہتی ہوں۔ برطانوی حکومت اپنے من پسند اسلام کی ترویج کے لئے انہیں زرکثیر سے کینیڈا، یمن، امریکہ اور موریطانیہ سے درآمد کرتی ہے۔ یہ درآمد شدہ مال ہمارے نوجوانوں کو بزدلی کا درس دیتے ہیں اور اسی کو اسلام کی کوہان بتاتے ہیں۔ ان کے نزدیک اسلام میں وہابی مکتبہ فکر سب سے خطرناک ہے۔ ہاں نعت خوانی اگر کسی مشہور گیت کی لے پر ہو تو انہیں خوب پسند ہے۔

نوجوانانِ اسلام! اس سے پہلے کہ اسلام کا یہ مسخ شدہ تصور پوری اُمت میں سرایت کر جائے ہمیں اس کا تدارک کرنا ہوگا۔ ملاوٹی اسلام کی آپ کو قلعی کھولنی ہوگی، موسیقی کے سنگ رات بھر نعتوں پر جھومنے والے اور دن بھر ظلم و جبر کے خلاف مزاحمت کرنے والے مجاہدوں کا مذاق اڑانے والوں کو ہوش کے ناخن دلانے ہوں گے۔

سلطان صلاح الدین فاتح قدس سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کبھی مسکراتے ہوئے نہیں دیکھے گئے، جری سلطان نے کہا: میرے چہرے پر مسکراہٹ کیسے آئے جبکہ بیت المقدس پر صلیبیوں کا قبضہ ہے۔ سلطان صلاح الدین اگر ہمارے نوجوانوں کی حالت دیکھتے تو وہ انہیں کیا مشورہ دیتے!

عرب حکمرانوں کی بے شرمی تو اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ وہ محض امریکہ کے سامنے 'بیلے ڈانس' پیش کر سکتے ہیں۔ عراق کو وہ سونے کی طشتری میں رکھ کر امریکہ کو پیش کر چکے ہیں، فلسطین میں درندے غرا رہے ہیں اور یہ چین کی نیند سو رہے ہیں۔ اب دیکھو عربوں کی ایک اور بیٹی 'لبنان' کی عزت تار تار کی جائے گی، کیا تم خود بھی اس نظارے سے دل بہلاؤ گے۔

ہمارے اور ہمارے نوجوانوں اور ہمارے بچوں کے سامنے نمونہ آپؐ کی ذات اور آپؐ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم کو ہونا چاہیے۔ انہیں کی سیرت کو سامنے رکھ کر ہمیں اپنا اور اپنے بچوں کا مستقبل بنانا ہوگا۔ جب تک اِس اُمت میں خالدؓ بن ولید، سلطان صلاح الدین ایوبی، میلکم ایکس اور سید قطب شہیدؒ پیدا ہوتے رہیں گے، تمہاری یہ بہن اپنے نوجوانوں میں انہیں کی شبیہہ ڈھونڈتی رہے گی۔

یہی ریت رہی ہے کہ ظلم جب حد سے گزرتا ہے تو دوا بن جاتا ہے۔ ہمارے نوجوان بہادری اور جواں مردی کے پیکر بنیں۔ فاروق حسنی جیسے مغرب سے بڑھ کر مغرب نواز آپ کے سامنے عبرت کا نشان ہوں۔ وہ جو صرف نامرد ہیں، تاریخ میں ان جیسے وزیروں کا ذکر بزدلی کے طور پر چند جملوں میں کیا جائے گا۔ آپ لازوال تاریخ رقم کریں۔ اُسی طرح جس طرح ہمارے بہادر عراق، فلسطین، چیچنیا اور کشمیر میں بہادری اور جواں مردی کی ایک طویل تاریخ رقم کر رہے ہیں۔

مغرب میں رہنے والے مسلمانوں کو یہ احساس ہو چلا ہے کہ وہ خواہ کتنے ہی مغرب پرست بن جائیں، کسی ناگہانی واقعے کے رونما ہونے پر حکومت سب سے پہلے انہیں کو شک کی نگاہ سے دیکھے گی۔ جس قدر مغرب جہاد، خلافت اور شریعت کو دبائے گا یہ ایک جذبہ بن کر اتنا ہی ابھریں گے۔

مسلم مقبوضات میں مزاحمت ہر لحاظ سے ایک جائز اور قانونی مزاحمت ہے۔ یاد رکھیں، مغربی ممالک کو جن انتہاپسندوں سے خطرہ ہے وہ جہادی نہیں بلکہ خود مغرب کے وہ بنیاد پرست عیسائی ہیں جو وائیٹ ہاؤس اور ڈاؤننگ سٹریٹ میں بیٹھ کر ہمارے نوجوانوں کو شدت پسندی کا راستہ دکھانے پر مجبور کر رہے ہیں۔ القاعدہ میں نوجوانوں کی بھرتی کی ذمہ داری بش اور ٹونی بلیئر نے اٹھا رکھی ہے۔

ہمارے نوجوان اس وجہ سے بھی بیدار ہو رہے ہیں کہ انہیں اس بات کا ادراک ہو گیا ہے کہ بش ٹونی بلیئر کمپنی کا اصل ہدف دہشت گردی نہیں بلکہ خود اسلام ہے۔ ہمارے نوجوان اُسی جذبے کے ساتھ اپنے آپ کو دُنیا کی قیادت کا اہل ثابت کریں جس طرح رسول اللہ ﷺ نے دُنیا کے سامنے اعلیٰ ترین انسانوں کی قیادت فراہم کی تھی۔ آپ کا بتایا ہوا راستہ آج بھی بہت سوں کے لئے روشنی کا مینار ہے۔ یقین رکھیں سوائے ایک اللہ کے مسلم نوجوان کسی سے دبکتا نہیں!

(بشکریہ سہ ماہی ''ایقاظ'')

النصر لیب

مستند اور تجربہ کار ڈاکٹروں کی زیرِ نگرانی ادارہ

ایک ہی چھت کے نیچے تمام اقسام کے معیاری لیبارٹری ٹیسٹ' ایکسرے' ای سی جی اور الٹراساؤنڈ کی سہولیات

محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی نگاہ میں قابلِ اعتماد ادارہ

خصوصی پیکج خصوصی میڈیکل چیک اپ ☆ الٹراساؤنڈ ☆ ای سی جی ☆ ہارٹ ☆ ایکسرے چیسٹ ☆ لیور ☆ کڈنی ☆ جوڑوں سے متعلقہ متعدد ٹیسٹ / ہیپاٹائٹس بی اور سی / Elisa Method کے ساتھ ☆ بلڈ گروپ ☆ بلڈ شوگر ☆ مکمل بلڈ اور مکمل پیشاب ٹیسٹ صرف 2000 روپے میں کروائیں۔

ISO 9001:2000
QMS CERTIFIED CLINICAL LAB
BY MOODY INTERNATIONAL

تنظیم اسلامی کے رفقاء اور ندائے خلافت کے قارئین اپنا ڈسکاؤنٹ کارڈ لیبارٹری سے حاصل کریں۔ ڈسکاؤنٹ کارڈ کا اطلاق خصوصی پیکج پر نہیں ہوگا۔

النصر لیب: 950۔بی' مولانا شوکت علی روڈ' فیصل ٹاؤن (نزد راوی ریسٹورنٹ) لاہور

فون: 5162185-5163924 موبائل 0300-8400944

E-mail: alnasar@brain.net.pk Website: www.alnasar.com.pk

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

محمد سمیع

ایک زمانہ تھا جب بچوں کی ابتدائی تعلیم میں فارسی زبان کا مضمون بھی شامل تھا۔ شیخ سعدی کی گلستاں اور بوستاں کا مطالعہ عام تھا۔ چونکہ ہم بھی اس دور سے گزر چکے ہیں' لہٰذا فارسی زبان کے بعض محاورں اور اشعار کا استعمال ہمارے لئے ناگزیر ہے۔ اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ آج معاملہ فارسی زبان کے اعتبار سے ''زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم'' والا ہے۔ اب جو ہم نے اس مضمون کا عنوان فارسی میں باندھا ہے تو ہم پر لازم ہے کہ اس کا مطلب بھی بتائیں، تاکہ ہمارے جو قارئین، فارسی زبان سے نابلد ہیں، انھیں بھی عنوان سمجھ میں آجائے۔ ویسے ہمارے ہمارے زمانے میں بھی یہ محاورہ عام تھا کہ ''پڑھیں فارسی بیچیں تیل۔ دیکھیں پھر قدرت کا کھیل'' اب ہمیں نہیں' معلوم اس زمانے میں ایران میں تیل دریافت ہوا تھا یا نہیں لیکن تیلی کہلانا کم ہی لوگ پسند کرتے ہیں۔ جبھی تیل کا کاروبار کرنے والی ہماری ایک برادری نے اپنے آپ کو ''تیلی'' کے بجائے ''عراقی'' کے نام سے موسوم کر رکھا ہے۔ بہرحال آمدم بر سر مطلب۔ دیکھئے' فارسی پھر کود پڑی۔ اس مضمون کے عنوان کا مطلب یہ ہے کہ جس کسی نے خدمت کی وہ مخدوم ہوگیا' یعنی لوگ اس کے خادم ہوگئے۔ اس کی تازہ مثال چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کی ہے۔ جب تک وہ چیف جسٹس نہیں بنے تھے، لوگ انھیں جانتے بھی نہ تھے۔ اگر وہ عام چیف جسٹس ہوتے تو اپنا عہدہ پورا کر کے پھر گمنامی میں چلے جاتے۔ لیکن انھوں نے اپنے آپ کو قوم کا خادم ثابت کیا۔ لہٰذا آج عوام ان کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ ہمارے ہاں مرکزی قیادت کا اب تک فقدان رہا ہے۔ چیف جسٹس صاحب پر فارسی کا یہ محاورہ صادق آتا ہے کہ ''مردے از غیب بروں آید و کارے بکند'' کہ غیب سے ایک مرد نمودار ہوا اور اس نے کام کر دکھایا۔ ایک زمانہ تھا کہ ہمارا میڈیا ایوب خان کے بحیثیت چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر منظر عام پر آنے پر فارسی کا یہ مصرع استعمال کیا کرتا تھا۔ اور ایوب خان ہی کیا، ہم نے ہر آمر کا خیر مقدم اسی طرح کیا ہے' گویا کہ وہ غیب سے نمودار اس لئے ہوا ہے کہ وہ قوم کا مسیحا بن جائے گا۔ لیکن آج الٹی ہوا چل پڑی ہے۔

عدلیہ کی تاریخ میں جسٹس افتخار وہ یہ پہلا مرد آہن پیدا ہوا ہے جس نے ایک فوجی سربراہ کو چیلنج کر دیا ہے۔ ذرا غور تو کریں کہ ان کے اس چیلنج کی عوام میں کس لئے پذیرائی ہوئی ہے۔ اب تک قومی مفاد کے نام پر ہمارے حکمران عوام کے ساتھ ہاتھ کرتے چلے آئے ہیں۔ جس کی انتہا یہ ہے کہ قومی مفاد کے نام پر موجودہ حکمرانوں نے قوم کے وقار اور اس کی سالمیت کا دھیلا کر دیا ہے۔ آج دنیا پاکستان اور پاکستانیوں کو چاہے جس نظر سے دیکھتی رہے لیکن ہمارے حکمران ڈھٹائی کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارا وقار قوموں کی برادری میں بڑھا ہے۔ جسٹس افتخار محمد چودھری نے اسٹیل ملز کی نج کاری

> شطرنج کا ماہر اپنی چالیں چلتا جاتا ہے اور بازی جیتتا جاتا ہے۔ اچانک وہ ایک ایسی چال چل جاتا ہے جس سے اس کی ساری بساط ہی الٹ جاتی ہے۔ چیف جسٹس کے خلاف صدارتی ریفرنس ایسی ہی ایک چال لگتی ہے جس نے ایک ایسی قوم کو بیدار کر دیا ہے جس کو اب تک بے حسی کا طعنہ دیا جاتا تھا

کے خلاف فیصلہ دے کر یہ ثابت کر دیا کہ قومی مفاد کیا ہے۔ انہوں نے ایجنسیوں کے ہاتھوں اٹھائے جانے والے لاپتہ افراد کے مقدمے کو جس طرح آگے بڑھایا، اس سے ان کی قوم اور افراد قوم کے ساتھ دردمندی جھلکتی ہے۔ اب ایسی باتیں حکمرانوں کو کاہے کو پسند آتیں' لہٰذا ان سے وہ حرکت سرزد ہوگئی جس کے بارے میں ایک دانشمند نے ایک بات کہی تھی۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جبکہ ذوالفقار علی بھٹو کا ستارہ عروج پر تھا۔ قوم کی اکثریت اس کے خلاف کچھ سننے کے لئے آمادہ نہ تھی۔ روٹی کپڑا اور مکان کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ اس وقت اس دانشمند نے یہ کہا تھا کہ شطرنج کا جو ماہر ہوتا ہے وہ اپنی چالیں چلتا جاتا ہے اور بازی جیتتا جاتا ہے۔ اچانک وہ ایک ایسی چال چل جاتا ہے جس سے اس کی ساری بساط ہی الٹ جاتی ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو اس سے مستثنیٰ نہیں۔

چیف جسٹس کے خلاف صدارتی ریفرنس ایسی ہی ایک چال لگتی ہے کہ جس نے ایک ایسی قوم میں جس کو اب تک بے حسی کا طعنہ دیا جاتا تھا' بیدار کر دیا ہے۔

اگر سارے سیاستداں بھی مل کر اس قوم کو بیدار نہ کر سکے تو بات سمجھ میں آتی ہے۔ عوام کا سیاستدانوں پر سے اعتماد اٹھ چکا ہے، کیونکہ وہ بھی دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ ہمارے سیاستدانوں ہی نے ہمیشہ ہر آمر کے اقتدار کو اپنا کندھا فراہم کر کے اسے مضبوط کیا ہے۔ انہیں قوم و ملت کے مفادات عزیز نہیں' بلکہ اپنے مفادات عزیز ہیں۔ اس سے نہ ''مسٹر سیاستدان'' مبرا ہے اور نہ ''مولانا سیاستدان''۔ تو وہ بھلا سیاستدانوں پر کیسے اعتماد کریں۔ انھوں نے تو ایک سابق چیف جسٹس کو بھی درخور اعتناء نہ سمجھا' جس کی ایکسٹرا جوڈیشیل سرگرمی میاں محمد نواز شریف کے دور میں سامنے آئی۔ کیونکہ عوام نے محسوس کر لیا تھا کہ ان کی یہ ساری سرگرمیوں نے انھیں مخصوص سیاستدان کا آلہء کار بنا رکھا ہے۔ آج موصوف اپنا کام اخباروں میں کالم لکھ کر یا سماجی تقریبات میں شرکت کے ذریعہ چلا رہے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ بزرگوں کا یہ قول آج بھی حرف بہ حرف صداقت پر مبنی ہے کہ ''ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد'' یہ ہمارے سیاستدانوں کیلئے ایک لمحہء فکریہ ہے۔ کاش کہ ہمارے سیاستدانوں کو اب بھی عقل آجائے۔

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ

- ازروئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟
- ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
- نیکی' تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ مندرجہ ذیل خط و کتابت کورسز سے فائدہ اٹھائیے:

(1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس

(2) عربی گرامر کورس (I`II`III)

(3) ترجمہ قرآن کریم کورس

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس (مع جوابی لفافہ) کے لئے رابطہ:

شعبہ خط و کتابت کورسز

قرآن اکیڈمی' 36۔کے' ماڈل ٹاؤن لاہور

فون 3-5869501

ایک اور اعزاز

اوریا مقبول جان

کیا ہم واقعی اتنے رسوا اور بے آبرو ہو گئے ہیں کہ ہمیں ہر اس اعزاز کا مستحق سمجھا جانے لگا ہے جو ذلت ہمارا مقدر کر دے۔ ہم سے دنیا بھر میں عزت و آبرو سے گھومنے اور سر اٹھا کر چلنے کا حق چھین لے۔ کیا ہم ایسے ہی تھے۔ ہمیں ہمیشہ سے ایسا ہی سمجھا جاتا تھا۔ ایسے بہت سے سوال آج اس نئے اعزاز کے ملنے کے بعد ذہن پر ہتھوڑے کی طرح برستے ہیں۔ جواب کی تلاش ان ایوانوں تک لے جاتی ہے جن کی وجہ سے یہ ذلت اور رسوائی ہمارا مقدر بن گئی۔

یہ اعزاز انگریزی کے ایک محاورے Feather in the Cap یعنی ٹوپی میں سرخاب کے پر کی طرح ہے، اگرچہ ایسے کئی سرخاب کے پر ہم اپنی ٹوپی پر سجا چکے ہیں، ہم آج بھی بددیانت ممالک کی فہرست سے سرخیلوں میں آتے ہیں۔ ہم اعداد و شمار کی دنیا میں اتنے بے اعتماد ہیں کہ دنیا ہماری بیان کردہ ترقی اور بہتری کے اعداد و شمار پر یقین نہیں کرتی۔ دنیا تو دور کی بات پاکستان کا کوئی اہل علم اگر کوئی مضمون کسی قابل اعتبار جریدے میں لکھنا چاہتا ہے تو سرکاری اعداد و شمار کا اول تو ذکر نہیں کرتا اور اگر کرتا ہے تو اسے سرکاری دعویٰ قرار دے کر اس کی نفی میں دنیا بھر کے آزاد ذرائع سے معلومات بھی درج کر دیتا ہے تاکہ اس کی علمی حیثیت بھی مشکوک نہ ہو جائے۔ ہم بھی دیوالیہ ہونے کے قریب ہونے کا اعزاز حاصل کرتے ہیں۔ کبھی دنیا بھر کے ممالک اپنے شہریوں کو ہدایات جاری کرتے ہیں کہ اس ملک کا سفر نہ کرنا، وہاں آپ کی جان خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ کبھی انسانی حقوق کی علمبردار تنظیمیں بلکہ ہمارے سرپرست اعلیٰ امریکہ کا سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ ہر سال ہمارے ہاں انسانی حقوق کی تذلیل کی داستانیں بیان کرتا ہے۔ ہم یہ سارے کے سارے اعزازات بالکل ایسے سینے پر سجائے گھومتے پھرتے ہیں جیسے کسی وردی کی بائیں جیب پر رنگ برنگی پٹیوں کی ایک طویل قطار ہوتی ہے۔ لوگ اسے خوبصورتی سمجھتے ہیں کہ اس کا مطلب نہیں جانتے لیکن وردی پہننے والے سے سوال کیا جائے تو وہ بتائے گا کہ رنگ برنگی پٹیاں کس وجہ سے اس نے لگائی ہوئی ہیں۔ یہ پٹیاں بغیر کچھ کئے بھی آپ کا مقدر ہوتی ہیں مثلاً ہجرہ کی پٹی، علامہ اقبال کے دن کی پٹی، کوئی سرکاری سال منانے کی پٹی لیکن ان پٹیوں کے ساتھ کچھ چمکتے ہوئے میڈل بھی لٹک رہے ہوتے ہیں جو کسی کسی کے مقدر میں آتے ہیں۔ کسی عام آدمی کے حصے میں یہ تمغے آئیں تو وہ انہیں ڈرائنگ روم میں فریم کروا کر رکھ لیتا ہے لیکن کسی یونیفارم پہننے والے کو یہ اعزازات حاصل ہوں تو وہ ہر اہم موقع پر انہیں چمکا کر اپنی یونیفارم کی خوبصورتی میں اضافہ کرتا ہے۔

میرے ملک میں یہ اعزازات دونوں کے حصے میں آئے، یہ الگ بات ہے کہ اعزاز ان کے گناہوں کی پاداش میں تھے اور چہرہ میرے وطن کا میلا کر دیا گیا۔ لیکن آج کا اعزاز ایسا ہمارے مقدر میں آیا ہے کہ اس کی سیاہی دھونے میں شاید ہمیں صدیاں لگ جائیں۔ دنیا کے ترقی یافتہ

پوری دنیا میں گمراہ کن پراپیگنڈا کیا گیا کہ طالبان دہشت گرد ہیں، فرسودہ ہیں لیکن یہ بات اسلام دشمنوں نے بھی تسلیم کی کہ افغانستان کی گزشتہ پانچ سو سال کی تاریخ میں صرف پانچ سال ایسے تھے، جہاں امن و امان تھا۔ زیور سے لدی عورت کابل سے قندھار تک بے خطر سفر کر سکتی تھی

ممالک کی ایک تنظیم G-8 ہے۔ یہ وہ ممالک ہیں جن کے رنگ ہی رنگنے کے لئے ہم نے گزشتہ کئی سالوں سے اپنی عزت و آبرو تک داؤ پر لگائی تھی۔ اس تنظیم نے دنیا میں پرامن سے لے کر انتہائی بدامن ممالک کی ایک فہرست شائع کی ہے۔ یہ کل ایک سو اکیس ممالک بنتے ہیں۔ ان ممالک میں پاکستان کا نمبر 115 ہے یعنی صرف چھ ممالک کولمبیا، نائیجیریا، روس، اسرائیل، سوڈان اور عراق بدامنی کے اعتبار سے ہم سے دوڑ میں آگے ہیں۔ حیرت اس بات پر ہے کہ وہ ملک جس نے ابھی جنگ کے ہولناک بادل دیکھے یعنی لبنان، وہ بھی پاکستان سے زیادہ پرامن ہے۔ یہ رپورٹ دنیا کے ان اہم لوگوں کی تصدیق سے بنی ہے جنہوں نے عالمی سطح پر نوبل انعام حاصل کیا جن میں دلائی لامہ، جنوبی افریقہ کا ڈیسمنڈ توتو، جمی کارٹر اور مشہور ماہر معاشیات جوزف سٹگلٹز۔ ہم آئرلینڈ جیسے ممالک سے بھی کہیں پیچھے بلکہ کوسوں دور ہیں جو آئے دن بم دھماکوں میں زندہ رہے۔ آزادی کی تحریکیں دیکھتے رہے لیکن آج ان کے ہاں امن ہے، سکون ہے۔ یہ رپورٹ امن کا ذمہ دار کسی خارجی محرک کو نہیں سمجھتی بلکہ کہتی ہے کہ تعلیم اور معاشی حالات امن پیدا کرتے ہیں اور ہمارے اعداد و شمار ان دونوں معاملات میں ''روشن'' چہرہ دکھاتے ہیں۔

کیا ہم واقعی ایسے تھے یا ایسے ہیں، ہم ایسے یقیناً نہیں تھے۔ اس ملک میں 70 کی دہائی تک جبکہ ہم دو جنگیں بھی لڑ چکے تھے، ہماری سڑکوں پر دنیا بھر کے سیاح بے خطر گھومتے پھرتے نظر آتے تھے، ہمارے ہوٹل، ہماری یادگاریں اور ہمارے قدرتی حسن سے مالا مال علاقے ان سے آباد تھے، ایسے ہی جیسے دنیا کے کسی اور مہذب ملک میں ہوتا ہے۔ 77 کی مشہور زمانہ تحریک چل رہی تھی۔ لاٹھیاں، گولیاں، آنسو گیس سب کچھ تھا لیکن اس ملک کو کسی نے خوفزدہ، بدامن ملک نہیں کہا تھا بلکہ میں نے خود سیاحوں کو ان جلوسوں کو دیکھنے اور تصویریں اتارتے دیکھا۔ ہمارا ملک شاہراہوں کی ڈکیتیوں، خوف و ہراس، اسلحہ کی بھرمار اور قتل و غارت سے ناآشنا تھا۔ ہم تو چین کی بنسی بجا رہے تھے، البتہ ہم اس تمغے کے حصول کی جدوجہد میں ضرور مصروف رہے۔ کبھی بلوچستان میں آرمی ایکشن سے اور کبھی مشرقی پاکستان میں محرومیوں کا بیج بونے سے۔ پھر ہم نے ان بیجوں کو پانی اور کھاد وافر مقدار میں مہیا کیا۔ یہ تاریخ کا ایسا باب ہے کہ جس پر رونے اور اس پر ماتم کرنے کے لئے ایک عمر چاہیے۔ گولی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس پر کسی کا نام نہیں لکھا ہوتا بلکہ رکھا ہوتا ہے۔ To Whom it may Concern اور یہ عطا کرنے والے کا بھی نشانہ لے سکتی ہے۔ اور پھر ایسا ہی ہوا اور آج ہم اس اعزاز کے مستحق قرار پا گئے۔ ہم تو طالبان سے بھی برے نکلے جنہیں پوری دنیا طعنے دیتی تھی کہ یہ دہشت گرد ہیں، فرسودہ ہیں لیکن ایک بات تسلیم کرتی تھی کہ افغانستان کی گزشتہ پانچ سو سال کی تاریخ میں صرف پانچ سال ایسے تھے، جہاں امن و امان تھا۔ زیور سے لدی عورت کابل سے قندھار تک بے خطر سفر کر سکتی تھی۔

اعزازات کی اس جنگ میں، میڈلوں کے اس ہجوم میں اور عزت و آبرو کی اس پذیرائی میں سوچتا ہوں کہ بیج بونے والے، اسے پروان چڑھانے والے، اس کی رکھوالی کرتے والے یہ تمغے، یہ اعزازات اپنی قبر پر آویزاں نہیں کرتے، اپنے ساتھ نہیں لے جاتے، بلکہ میرے ملک کے چہرے پر بدنما داغ کی طرح چھوڑ جاتے ہیں جسے صاف کرتے کرتے یہ قوم نڈھال ہے، تھک چکی ہے۔ (بشکریہ روزنامہ ''ایکسپریس'')

☆ کیا منگیتر سے فون کے ذریعے رابطہ رکھا جاسکتا ہے؟ ☆ کیا کسی اہل فرد کی سفارش کی جاسکتی ہے؟

☆ اجتہاد اور ریسرچ میں کیا فرق ہے؟

☆ کیا حقیقی اولاد اور گود لئے گئے بچوں کے درمیان رشتہ ازدواج قائم ہوسکتا ہے؟

پوچھے گئے سوالات کے قرآن و سنت کی روشنی میں جوابات

س: اجتہاد اور ریسرچ میں کیا فرق ہے؟

ج: اجتہاد 'جہد' سے ہے۔ اس کے لغوی معنی ''انتہائی کوشش کرنا'' ہیں۔ بعد میں یہ لفظ ذہنی کوشش کے لئے مستعمل ہو گیا، جبکہ اسی مادہ سے لفظ 'جہاد' انتہائی جسمانی کوشش کے لیے مختص ہو گیا۔ فقہاء کی اصطلاح میں نصوص قرآن وسنت سے شرعی احکام مستنبط کرنے کے لئے انتہائی کوشش کرنا اجتہاد کہلاتا ہے۔ اور اجتہاد کے نتیجے میں جو حکم شرعی معلوم ہوتا ہے اُسے فقہ کہا جاتا ہے۔ گویا اجتہاد ایک Process of thinking ہے، جبکہ ریسرچ یا تحقیق ایک عام لفظ ہے جس کا معنی نامعلوم کو معلوم کرنا اور کم معلوم کے بارے میں معلومات کو بڑھانا ہے۔ یہ کسی بھی موضوع پر ہوسکتی ہے۔ اس کا تعلق صرف شریعت سے خاص نہیں ہے۔ اگرچہ شرعی موضوعات پر بحث کو بھی تحقیق کہہ سکتے ہیں۔

س: کیا کسی اہل فرد کی سفارش کی جاسکتی ہے؟

ج: ایسی سفارش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ ایسی سفارش باعث اجر وثواب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: 'من يشفع شفاعة حسنة يكن له نصيب منها' یعنی ''جو کوئی اچھی سفارش کرے گا تو اسے اس کا اجر و ثواب کا حصہ ملے گا۔''

س: کیا منگیتر سے خط وکتابت یا فون کے ذریعے رابطہ رکھا جاسکتا ہے؟

ج: اگر ایک آدھ دفعہ ایسا ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ حدیث میں شادی سے پہلے منگیتر کو دیکھنے کی ترغیب دلائی گئی ہے اور دیکھنا، خط لکھنے یا ٹیلی فون سے بڑھ کر ہے۔ لیکن خط وکتابت یا ٹیلی فون کے ذریعے مستقل رابطے رکھنا اور ایک دوسرے کو ''سمجھنے'' کی کوشش کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس کا لازمی نتیجہ برائی کی طرف پیش قدمی ہے۔

س: حضور ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ صدقہ ردِّ بلا ہوتا ہے۔ کیا یہ صدقہ صرف خون بہانے سے ہوتا ہے یا کسی دوسرے طریقے سے غریب کی مدد کرنے کو بھی صدقہ کہا جائے گا؟

ج: صدقہ کرنے کے لیے خون بہانا ہی ضروری نہیں ہے جیسا کہ ہمارے ہاں عام طور پر یہ اوہام پرستی موجود ہے۔ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ صدقہ کے لیے بکرا ہونا چاہیے اور وہ بھی کالا ہو تو بلا ٹلتی ہے۔ اب تو ایک اور رواج دیکھنے میں آیا کہ لوگ بکروں کو ذبح کر کے ان کی سریاں دوسروں کے گھروں میں پھینک جاتے ہیں تاکہ ان سے بلا ٹل جائے۔ یہ سب ہندوانہ توہم پرستی ہے، جس کی اسلامی شریعت میں اجازت نہیں ہے۔ اللہ کی راہ میں جانور ذبح کیا جائے یا غریبوں کو کھانا کھلایا جائے یا کسی غریب کی کوئی بنیادی ضرورت پوری کی جائے یا حقدار کو کوئی کچھ رقم دے دی جائے، یہ سب صدقہ ہی ہے اور یہ بلا کو رفع کرتا ہے۔ جانور کا خون بہانا ضروری نہیں ہے۔

س: کیا بچوں کو گود لینا جائز ہے، اور کیا اپنی اولاد اور گود لئے گئے بچوں کے درمیان رشتہ ازدواج قائم ہوسکتا ہے؟

ج: بچوں کو گود لینا جائز ہے۔ اور اُن کی اپنی حقیقی اولاد سے شادی بھی جائز ہے، بشرطیکہ لے پالک کو خاتون نے اپنا دودھ نہ پلایا ہو۔ کیونکہ دودھ پلانے کے بعد تو لے پالک رضاعی بہن یا بھائی بن جاتا ہے۔

کاروباری اور ملازمت پیشہ افراد کے لیے

بنیادی دینی علوم سے آگاہی کا موقع

الحمدللہ مرکزی انجمن خدام القرآن کے شعبۂ تدریس کے زیر اہتمام

فہم دین کورس

کا 11 جون 2007ء سے آغاز ہو رہا ہے (ان شاءاللہ)

مضامین: ☆ ابتائی عربی گرائمر ☆ تجوید وقراءت (ناظرہ قرآن مجید) ☆ نماز وادعیہ ماثورہ کا ترجمہ وحفظ ☆ ترجمۂ قرآن مجید ☆ دین کے بنیادی موضوعات پر لیکچر

دورانیہ: 3 ماہ...... **اوقات تدریس:** مغرب تا عشاء

داخلے کے خواہش مند حضرات

قرآن اکیڈمی 36 کے ماڈل ٹاؤن لاہور کے استقبالیہ سے داخلہ فارم حاصل کر کے وہیں جمع کرا دیں۔ فون: 5869501 ای میل: irts@tanzeem.org

قارئین! کالم ''تفہیم المسائل'' کے لئے آپ اپنے سوالات بذریعہ ڈاک یا ای میل ایڈریس media@tanzeem.org پر بھیج سکتے ہیں۔

دفتر تنظیم گلشن اقبال کراچی میں امیر محترم کے ساتھ تعارفی نشست

23 مئی بروز بدھ بعد نماز مغرب امیر تنظیم اسلامی جناب حافظ عاکف سعید ناظم اعلیٰ جناب اظہر بختیار خلجی کے ساتھ دفتر تنظیم اسلامی گلشن اقبال (واقع گلزار ہجری) تشریف لائے۔ امیر حلقہ سندھ زیریں جناب نسیم الدین صاحب بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ مقامی امیر تنظیم اسلامی انجینئر نوید احمد نے اپنے رفقاء کے ساتھ معزز مہمانوں کا استقبال کیا۔ پروگرام کے آغاز میں جناب نوید احمد نے تنظیم اسلامی گلشن اقبال کا تعارف کروایا۔ اس تنظیم میں 6 اسرہ جات ہیں۔ یہ 21 ملتزم رفقاء اور 52 مبتدی رفقاء پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد امیر محترم نے احباب کا تعارف حاصل کیا۔ بعد ازاں ایسے رفقاء کا تعارف ہوا، جنہوں نے تقریباً ایک سال قبل تنظیم میں شمولیت اختیار کی تھی۔

تعارف کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوئی۔ امیر محترم نے نہایت شفقت و محبت سے جوابات مرحمت فرمائے۔ امیر محترم کے جوابات سے تنظیم اسلامی کے قیام کا پس منظر اور اس کے اہداف دوبارہ ذہنوں میں تازہ ہوئے۔ آپ نے تحریک دعوت کے حوالے سے داعی کے کردار کو اور حالات حاضرہ کے تعلق سے جامعہ حفصہ سے متعلق تنظیم کے موقف کو بیان کیا، نیز اُسرہ کی اہمیت اور منہج انقلاب نبوی ﷺ کے مراحل پر بھی روشنی ڈالی۔ جس کے بعد یہ نشست اختتام پذیر ائی۔ (مرتب: سلیم الدین)

تنظیم اسلامی اقبال ٹاؤن لاہور کا دعوتی اجتماع

تنظیم اسلامی اقبال ٹاؤن لاہور کا ماہانہ دعوتی اجتماع اتوار 6 مئی 2007ء کو بعد نماز عصر منعقد ہوا۔ اس پروگرام کی میزبانی کی سعادت اسرہ راوی بلاک کے حصہ میں آئی۔ محترم انجینئر حسن ظہیر نے دین اور مذہب کے فرق کے موضوع پر گفتگو فرمائی۔ انہوں نے آسان اصطلاحات کی مدد سے موضوع کے تمام گوشوں پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا کہ اسلام محض مذہب نہیں، جو صرف چند عقائد، عبادات اور سماجی رسومات پر مشتمل ہو، بلکہ ایک مکمل نظام زندگی ہے، جس میں انفرادی زندگی کے ساتھ اجتماعی زندگی کے تمام تر گوشوں کے بارے جامع ترین ہدایات موجود ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم مسلمان اسلام کو ماننے کا دعویٰ تو کرتے ہیں، مگر اللہ کے عطا کردہ عادلانہ نظام حیات کو اختیار نہیں کرتے بلکہ اس کی بجائے عملی رہنمائی یہود و نصاریٰ کے خود ساختہ اور فرسودہ نظاموں اور نظریات سے لیتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں ہماری آخرت تو برباد ہو رہی ہے، ہم دنیا میں بھی زبوں حالی کا شکار ہیں۔

انہوں نے کہا کہ آج ہر طرف سیکولرزم کا ڈنکا بج رہا ہے۔ جس کے ماننے والوں کا بنیادی نعرہ آزادی ہے، یعنی انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں آزادی۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آزادی کا نعرہ محض ایک جھانسہ ہے۔ سیکولر نظام کے ذریعے اصل میں تمام اخلاقی اور معاشرتی اقدار کو تباہ کیا جارہا ہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ ایمان کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ہم مسلمان اولاً دین اسلام کو اپنے لیے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے مکمل ہدایت نامہ سمجھیں، اس پر عمل کریں اور پھر اُس کے غلبے کی جدوجہد کریں اور اس دین کی گواہی غیر مسلموں پر بھی دیں، تاکہ آخرت میں سرخرو ہوسکیں۔

پروگرام کے اختتام پر سوال و جواب کی نشست ہوئی۔ (مرتب: محمد ندیم شیخ)

جہلم میں تنظیم سازی کے سلسلہ کا پروگرام

20 مئی 2007ء بروز اتوار دو مقامی منفرد اُسروں کی جماعت سازی کا پروگرام تشکیل دیا گیا ہے۔ یہ پروگرام دفتر تنظیم اسلامی، محمدی چوک جہلم میں منعقد ہوا۔ مہمانانِ گرامی ناظم حلقہ پنجاب شمالی جناب خالد محمود عباسی اور معتمد عمومی جناب راجہ اصغر شام چار بجے اسلام آباد سے جہلم تشریف لائے۔ پروگرام کا باقاعدہ آغاز بعد از نماز مغرب تلاوت قرآن پاک سے کیا گیا۔ جناب ساجد سہیل نے ابتدائی کلمات کہے، پھر خالد محمود عباسی کو خطاب کی دعوت دی۔ پروگرام کا مقصد دو مقامی منفرد اُسروں کو تنظیم کا درجہ دینا تھا۔ چنانچہ خالد محمود عباسی نے جماعتی نظم کی وضاحت اور اُس کے خدوخال بیان کئے اور پھر دو مقامی منفرد اُسروں، منفرد اُسرہ جہلم اور منفرد اُسرہ سنگھوئی کو مقامی تنظیم کا درجہ دینے کا اعلان کیا۔

انہوں نے نقیب اُسرہ کی ذمہ داریوں پر بھی روشنی ڈالی اور نئے نامزد ہونے والے نقباء کو اپنے فرائض منصبی سرانجام دینے کے لئے ضروری ہدایات۔ بعد از نماز عشاء کھانے کا انتظام کیا گیا۔ کھانے کے بعد پروگرام کے باقاعدہ اختتام کا اعلان کیا گیا اور رفقاء اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔ (مرتب: عادل عمران)

حلقہ لاہور کا آدھا روزہ پروگرام

تنظیم اسلامی حلقہ لاہور کی سطح پر آدھا روزہ پروگرام 20 مئی بروز اتوار صبح 10 بجے قرآن آڈیٹوریم میں منعقد ہوا۔ اس پروگرام کی میزبانی کے فرائض حلقہ لاہور کے ناظم حسن ظہیر نے سرانجام دیئے۔ پروگرام کا آغاز بیان القرآن سے ہوا۔ مقامی تنظیم اقبال ٹاؤن کے امیر محمد جہانگیر نے سورۃ البقرہ کی آیت 144 کا درس دیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر عبدالخالق صاحب نے نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں کے موضوع پر بھرپور گفتگو کی۔ انہوں نے سورۃ الاحزاب کی آیت 40 کے حوالے سے گفتگو کی جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "محمد ﷺ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ وہ تو اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔" اس کے بعد انہوں نے حدیث رسول ﷺ بیان کی جس میں آپؐ نے فرمایا کہ "کاش میری ملاقات ہوتی میرے بھائیوں سے۔" اس پر صحابہ کرامؓ نے عرض کی! ہم آپؐ کے بھائی نہیں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں، لیکن وہ لوگ جو تمہارے بعد آئیں گے وہ مجھ پر ایمان لائیں گے جیسے تم ایمان لائے ہو۔ میری تصدیق کریں گے جیسے تم نے تصدیق کی ہے۔ اور وہ میری مدد کریں گے تمہاری مدد کی طرح۔ کاش میری ملاقات ہوتی میرے ان بھائیوں سے۔" انہوں نے کہا کہ اس حوالے سے آپ غور کیجئے کہ حضور کی مدد یا نصرت کس حوالے سے ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے تو اپنی ذات کے لئے کبھی کسی کی مدد نہیں چاہی۔ یہ مدد اور نصرت اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لئے ہے۔

اس کے بعد عاطف خالد بٹ نے حضور ﷺ کے داعیانہ کردار کے حوالے سے گفتگو کی۔ بعد ازاں بانی تنظیم اسلامی اور صدر موسس انجمن خدام القرآن محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے دعوت رجوع الی القرآن کے حوالے سے خصوصی خطاب فرمایا۔ انہوں نے فہم دین اور علم قرآنی کی تحصیل اور اسے دوسروں تک پہنچانے کی فضیلت کے ضمن میں 12 احادیث مبارکہ کا مطالعہ کرایا۔ اس کے بعد ایک سالہ اور دو سالہ کورس مکمل کرنے والے شرکاء میں اسناد اور سرٹیفکیٹ تقسیم کیے۔ انہوں نے کورس مکمل کرنے والے رفقاء کو ہدایت کی کہ آپ نے جو سیکھا ہے اسے دوسروں کو سکھانا شروع کر دیں، اس میں تاخیر نہ کریں۔ اگر آپ نے اس میں تاخیر کر دی تو آپ نے جو سیکھا ہے وہ بھول جائے گا۔ اس کے بعد کچھ دیر کا وقفہ ہوا وقفہ کے بعد انیل اقبال نے دعوت میں ذاتی رابطہ کی اہمیت پر گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ انفرادی دعوت ایک فطری طریق کار ہے، اور نبوی طریقہ ہے۔ یہ اشکالات دور کرنے کا اچھا ذریعہ ہے۔ اس سے داعی کی اپنی اصلاح بھی ہوتی ہے۔ امت میں جوڑ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد ماڈل ٹاؤن تنظیم کے محمد فواد نے تنظیم اسلامی میں جاری دعوتی مہم کے سلسلے میں ماڈل ٹاؤن تنظیم کی اب تک کی کارکردگی کا جائزہ پیش کیا۔ پروگرام کے آخر میں امیر حلقہ ڈاکٹر غلام مرتضیٰ صاحب نے اختتامی گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے آج کے آدھا روزہ پروگرام کا عنوان دعوتی پروگرام تھا۔ دراصل اس پروگرام کا مقصد یہ تھا آپ کو آپ کی ذمہ داری کا احساس دلایا جائے تاکہ آپ دعوت کے کام میں تن من دھن سے مصروف ہو جائیں۔ (مرتب: محمد یونس)

بقیہ: اداریہ

بتائی تھی کہ وہ تم سے محبت کریں گے اور تم ان سے محبت کرو گے' مگر اسلامی دنیا میں یہ صورت آج کہیں دکھائی نہیں دیتی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان کفریہ سازشوں اور جارحیت کا مقابلہ اتحاد سے کر سکتے ہیں اور باہمی یکجہتی سے ان کی چالوں کو ناکام بنا سکتے ہیں' مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کی بنیاد پر تشکیل پانے والی ملت اسلامیہ میں وحدت اور یکجہتی کا خواب اس وقت تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا جب تک مسلمانانِ عالم اُس نظریۂ حیات کو مضبوطی سے نہ تھام لیں' جو ملی جذبے، دینی اخوت اور اُمت کے تصور کو جنم دیتا ہے' اور ظاہر ہے کہ یہ نظریہ اسلام ہے۔ نظام اسلام کے نفاذ ہی سے دینی اخوت کو فروغ مل سکتا ہے۔ ہمارے لیے اتحادِ ملی' اور اُمت کی سربلندی کا ذریعہ ہماری دینی کتاب قرآن حکیم ہے' جو ہمیں حکم دیتا ہے کہ تم سب مل کر اللہ کی رسی (قرآن) کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ نہ کرو۔ اگر ہم کتاب زندہ کو مضبوطی سے تھام لیں' اسے اپنی انفرادی زندگی کا لائحہ عمل اور حیات اجتماعی کا دستور بنا لیں' تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم دنیا میں اتحاد و اتفاق کی قوت سے سرفراز نہ ہو سکیں' اور وحدت ملی کا مجرد تصور حقیقت بن کر سامنے نہ آ سکے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اسی سے اسلامی دنیا میں موجود اس کشمکش کا بھی خاتمہ ہو گا جو اسلام اور مغربیت کے عنوان سے جاری ہے۔ چنانچہ مسلمان حکمرانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے ملکوں میں اللہ کی شریعت کو نافذ کریں اور اسلام کے رُخ روشن پر دورِ ملوکیت میں پڑنے والے پردوں کو ہٹا کر حقیقی اسلامی معاشرہ قائم کر کے اسلام کے نظامِ عدل سے دنیا کو روشناس کرائیں۔ زمینی طاقتوں پر اعتماد اور بھروسہ کی بجائے اللہ پر توکل کریں اور اپنے عوام کی امنگوں اور جذبات کا پاس کریں۔ اغیار کی غلامی ترک کر کے اپنی تمام پالیسیاں قرآن وسنت کی روشنی میں ترتیب دیں' اپنا مشترکہ دفاعی نظام بنائیں۔ امام کعبہ نے بھی یہ کہہ کر کہ مسلمان قرآن وسنت کے مطابق فیصلے کریں اسی جانب مسلم حکمرانوں کو توجہ دلائی ہے۔ یہ کام آسان نہیں' مگر کوئی اور چارۂ کار بھی نہیں ہے۔ اس کے بغیر نہ تو ملی وحدت واستحکام کی منزل حاصل کی جا سکتی ہے اور نہ ہی اُمت کو اعدائے اسلام کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔

آخر میں ہم اپنے مقتدر طبقے سے عرض کرتے ہیں کہ آپ نے امام کعبہ کی مہمان نوازی کی ذمہ داری کو جس احسن انداز میں نبھایا ہے' وہ یقیناً قابل ستائش ہے۔ آپ نے یقیناً اُن کی جانب سے اتحاد اُمت کی تلقین کو بھی سراہا ہے' مگر ہم آپ کو یاد دلاتے ہیں کہ معزز مہمان نے جس دینی اخوت کی بات کی ہے' اسے تو آپ "سب سے پہلے پاکستان" کا نعرہ لگا کر کب سے مفاد اور مصلحت کی بھینٹ چڑھا چکے ہیں۔ اب رہی امامِ کعبہ کی یہ بات کہ ہمیں داخلی محاذ کو مضبوط کر کے داخلی انتشار وافتراق کو ختم کرنا ہو گا' اِس مقصد کا حصول کیسے ہو گا جبکہ آپ ایک عرصے سے قوم میں منافرت کے بیج بو رہے ہیں۔ صدر' وزیر اعظم اور "زیرک" اور "دانشمند" وزراء آئے روز انتہا پسند اور اعتدال پسند کی بات کرتے ہیں۔ عوام میں اس بات کی تبلیغ کی جا رہی ہے کہ انتہا پسندوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح قومی انتشار ختم ہو سکے گا' یا کہ مزید پھیل جائے گا۔ قوم میں فکر وخیال کی وحدت پیدا ہو گی' یا تفریق اور نفرت کے شعلے بھڑک اٹھیں گے' جو کسی بھی معاشرے کو بھسم کر کے رکھ دیتے ہیں۔ ہم حکمرانوں پر یہ بھی واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ وطن عزیز میں نام نہاد روشن خیالی کو پروان چڑھانے کی جو کوششیں ہو رہی ہیں، امام کعبہ کے دورۂ پاکستان کے دوران لاکھوں مسلمانوں نے ان کا بھرپور استقبال کر کے یہ پیغام دیا ہے کہ انہیں امریکہ کی خوشنودی کے لیے تراشا گیا فلسفۂ روشن خیالی کسی صورت قبول نہیں۔ عوام نے حکمرانوں پر واضح کیا ہے کہ ان کی عقیدت کا مرکز کعبہ ہے۔ لہٰذا وہ بھی کعبہ کو اپنا قبلہ بنائیں' واشنگٹن سے دوستی کے نام پر غلامی کے رشتے استوار نہ کریں۔ اپنے خنجر سے آپ خودکشی کرتی مغربی تہذیب کے پرچارک کی بجائے اسلامی تہذیب کو فروغ دیں۔ ملک میں رہی سہی اسلامیت کو ختم کر کے اسے خالص سیکولر سٹیٹ میں تبدیل کرنے کی گھناؤنی کوششوں کو ترک کر کے ایک ایسی اسلامی ریاست بنانے کی جدوجہد کریں' جس کا خواب بانیان پاکستان نے دیکھا تھا۔ ایک ایسی نظریاتی ریاست جس میں اسلام کے نظام عدل اجتماعی (System of Social Justice) کو بروئے کار آنے کا موقع ملے اور جو نہ صرف اہل پاکستان کے لیے جنت کا سماں پیش کرے' بلکہ دنیا کے لیے بھی رول ماڈل کی حیثیت رکھتی ہو۔

"Afghanistan hasn't really met any of the benchmarks" on improving human rights or security, said Sam Zafiri, Asia research director of Human Rights Watch. "Life is so dangerous that many Afghans don't feel safe enough to go to school, get health care, or take goods to market."

Human Rights Watch did not explain the methodology it used to arrive at its casualty numbers.

Its figure of 100 civilians killed by foreign troops is far fewer than the 600 tallied by Afghanistan's Independent Human Rights Commission. The commission also has not explained how it arrived at its figure, and has released no overall estimate of civilian casualties.

Civilians have often been caught in the middle of Afghanistan's recent wars, starting when Soviet troops invaded in 1979. Statements about the numbers of people killed and wounded in the current conflict sometimes differ widely, depending on who provides the information.

For instance, an airstrike in October 2006 in southern Afghanistan's volatile Panjwayi district killed between 30 and 80 civilians, according to accounts provided by the Afghan government and villagers. Yet NATO identified only 12 civilian deaths.

Karzai and the United Nations have repeatedly called on all sides to do more to avoid civilian casualties.

Human Rights Watch urged NATO nations to provide compensation for civilian casualties and damage to property caused by its operations.

It also called on donors such as the United States and European nations to provide more political, economic and military assistance and said that Karzai needs to take action against abusive warlords, some of them allied his government.

The U.S. government said last week it plans to provide another US$10.6 billion (€8.2 billion) for Afghanistan, much of it for Afghan security forces. The EU's executive office has proposed a new €600 million (US$780 million) aid package.

Vol: 16 Regd. No. LRL -50 No. 22

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

ABID ULLAH JAN

US-NATO Crimes Against Humanity

The US was not justified in attacking Afghanistan.

To this date there is no evidence that Osama bin Ladin has planned 9/11. Even FBI has no evidence to charge Osama for 9/11. Indeed, the FBI Director Mueller and the deputy director of the CIA publically admitted that they have found no evidence in Afghanistan linked to the September 11 attacks.

In response to a terrorist attack, the US could not launch a war on another nation to remove the government in power and continue a never ending occupation under the thumb of a CIA agent.

An act of war is a military attack by one state against another state. There is so far no evidence produced that the state of Afghanistan, at the time, either attacked the United States or authorized or approved such an attack.

If you believe the government's account of what happened, which I think is highly questionable, 15 of these 19 people alleged to have committed these attacks were from Saudi Arabia and yet we went to war against Afghanistan. It does not really add up in my opinion.

September 11 was not an act of war. Clearly these were acts of terrorism as defined by United States domestic law at the time, but not an act of war.

The United States didn't pay attention to any of the existing international treaties regarding terrorism and dispute resolution.

Bush failed in getting authorization from the UN Security council for a war.

This war has never been authorized by the United Nations Security Council.

The language of the two UN resolutions is very clear. It does not authorise war as the SC did in the case of war on Iraq in 1990.

Instead, the first Security Council resolution refused to call what happened on September 11 an "armed attack"--that is by one state against another state. Rather they called it "terrorist attacks."

The critical point here is that this war has never been approved by the U.N. Security Council so technically it is illegal under international law. It constitutes an act and a war of aggression by the United States against Afghanistan.

Failing to get any formal authorization from the Security Council, the U.S. Ambassador Negroponte sent a letter to the Security Council asserting Article 51 of the U.N. Charter to justify the war against Afghanistan. The precedent again goes back to the Nuremberg Judgment of 1946 when the lawyers for the Nazi defendants argued that we, the Nazi government had a right to go to war in self-defense as we saw it, and no one could tell us any differently. Of course that preposterous argument was rejected by Nuremberg. It is very distressing to see some of the highest level of US officials making legal arguments that were rejected by the Nuremberg Tribunal.

Bush failed to get a declaration of war from the US Congress. Despite all the rhetoric we have heard by the Bush administration, Congress never declared war against Afghanistan or against anyone. There is technically no state of war today against anyone as a matter of constitutional law as formally declared.

Bush did get was a War Powers Resolution authorization. Very similar to what his father got. Again the game plan was the same here. Follow the path already pioneered by Bush, Sr. in his war against Iraq. So he did get from Congress a War Powers Resolution authorization. This is what law professors call an imperfect declaration of war. It does not have the constitutional significance of a formal declaration of war. It authorizes the use of military force in specified, limited circumstances - not for wars of aggression and indefinite occupations.

After launching a war of aggression all what we have been witnessing in the past five and half years is nothing but perpetual crimes against humanity. NATO is now fully involved in these crime. To have a glimpse of the modern day barbarism,

More than 1,000 civilians were killed in Afghanistan in 2006, most of them as a result of attacks by the Taliban and other anti-government forces in the country's unstable south, a rights group said Tuesday.

Photos from NATO bomb victims by Maso Notarianni at the Emergency Hospital in Lashkar Gah

more photos and details (http://pubpages.unh.edu/~mwherold/latest.htm) ! Photos Index (http://www.rawa.org/s-photos.htm

)Human Rights Watch said that at least 100 of those civilian deaths were caused by NATO and U.S.-led troop operations, far below another estimate by an Afghan rights group.

In all, more than 4,400 Afghans — comprising civilians and combatants — died in conflict-related violence, twice as many as in 2005 and more than in any other year since the United States helped oust the Taliban in 2001, the New-York-based group said in a statement.

An Associated Press tally based on reports from Afghan, NATO and coalition officials puts the overall death toll slightly lower, at about 4,000, most of them militants.

Taliban-led guerrillas launched a record number of attacks last year and engaged in several pitched battles with foreign troops, who now number more than 40,000, the most since the fall of the fundamentalist militia.

With warlords and drug traffickers still powerful, the organization said Afghan President Hamid Karzai and donor nations had failed to meet promises to improve governance, the economy and security under plans to be reviewed at an international meeting on Afghanistan starting Tuesday in Berlin.